The Late Allama Barakat Ullah.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس کا ذکر موسیٰ علیہ السلام نے توریت شریف میں کیا ہے وہ ہم کو مل گئے ہیں۔ وہ عیسیٰ ناصری ہیں"۔(انجیل شریف یوحنا ۱ : ۴۵)

Was Muhammad Prophesied in the Torah of Moses?

توراتِ موسوی اور مُحمدِ عربی

مصنفہ

قسیس معظم آرچڈیکن برکت اللہ۔ ایم۔ اے

فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن

مصنف

دین فطرت۔اسلام یا مسیحیت ؟ دشتِ کربلا کوہِ کلوری ؟ توضیح البیان فی اصول القرآن ۔ محمد عربی ۔ ابوت کا الہیٰ مفہوم۔ صحت کتب مقدسہ ۔ اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجئی ؟

وغیرہ وغیرہ

1951

www.muhammadanism.org

(Urdu)

Sept.15.2004

دیباچہ

مدت مدید سے مسلم علماء نبوتِ محمدیہ کو تورات شریف کے مختلف مقامات سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں اور مسیحی فضلاء ان کا جواب دیتے رہے ہیں۔چنانچہ ممالک اسلامیہ میں مناظرہ کی کوئی مشہور کتاب ایسی نہیں ہے جس میں مسلمانوں اور مسیحیوں نے اس مضمون پر بحث نہیں کی۔ بلکہ طرفین کے بعض علماء نے تو اس موضوع پر مستقل رسالے بھی لکھے ہیں ۔ پنجاب میں ان رسالوں میں آنجہانی مولوی غلام نبی صاحب کی کتاب" تحقیق الاسلام" خاص طور پر قابلِ غور ہے کیونکہ اس میں تورات کی کتب کی بناء پر مولوی صاحب نے اسلامی نقطہ نظر کے مختلف پہلوؤں کو یکجا کرکے ایک جامع رسالہ تیار کیا تھا۔ امام المناظرین حضرت اکبر مسیح مرحوم نے ۱۸۹۳ء میں اس کتاب کا جواب رسالہ" ادعائے اسماعیل " میں دیا۔ اسی موضوع پر جناب پادری ٹامس ہاول صاحب مرحوم نے ایک رسالہ "بائبل میں محمد" لکھا جس میں انہوں نے سرسید احمد مرحوم کی دلائل کا جواب باصواب دیا۔ اس سلسلہ میں پادری گولڈسیک صاحب کا رسالہ " کتابِ مقدس اور حضرت محمد " بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

یہ بحث واقعی دلچسپ ہے جس کو از سر نو چھیڑنے کے لئے معذرت کی ضرورت نہیں ۔کیونکہ اس بحث سے بہت سے متنازعہ امور جن کے حل کرنے لئے مسلم علماء مدت سے اپنے دماغ لڑارہے ہیں خود بخود حل ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً وہ پچیدہ وسیع میدان جس میں نبوتِ محمدیہ کے لئے عہدِ عتیق کی پیشین گوئیوں کی راہ لی جاتی ہے ، باوجود وسعت کے طے ہوسکتاہے ۔ کیونکہ اس کا دارومدار اس ایک مفروضہ امر پر ہے کہ بنی اسماعیل سے کوئی جلیل القدر نبی برپا ہونے والا تھا جس کی خبر انبیائے سابقین نے ضرور بالضروری ہوگی۔ اس مفروضہ کی وجہ سے کتبِ عہد عتیق کی عبث ورق گردانی کی جاتی ہے اور آیات کی بلالحاظ سیاقِ عبارت تاویل کی جاتی ہے ۔ لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ خدا نے حضرت اسماعیل سے برکتِ نبوت کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور بنی اسماعیل سے کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں تھا تو پھر ان تمام مقامات کی جن کا اطلاق حضرت محمد پر کیا جاتا ہے ایک ایسی کلید ہاتھ لگ جاتی ہے جو طرفین کے لئے عقدہ کشائی کا موجب ہوسکتی ہے۔

تحقیق کا میدان منزلِ ہفتخواں سے کم وشوار گذار نہیں ہے۔ ہمارے ملک کے مناظرین اس پر خار راہ سے دامن کشاں گذرجاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے امور ایمانیہ کو پہلے سچ مان لیتے ہیں اور پھر ان کو ثابت کرنے کے لئے ایسی دلائل ڈھونڈتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوسکے کہ ان کے مفروضات برحق ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کا شخص۔

نہ محقق بود نہ دانش مند   چار پائے برو کتاب بے چند

محقق کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کسی قضیہ کو اپنا جزوایمان نہ بنائے تاوقتیکہ وہ پہلے ازروئے عقل ثابت نہ ہوجائے ۔ پس اس موضوع پر بحث کرنے سے پہلے یہ لازم تھا کہ طرفین اپنے اپنے مفروضہ کی بخوبی چھان بین کرتے۔ لیکن مسلم مناظرین نے اس کے برعکس یہ وطیرہ اختیار کیا کہ اپنے دماغ پرزور لگا کر یہ فرض کرلیا کہ مدعی نبوت میں فلاں فلاں شرط ہونی چاہیے۔ اور پھر اس مفروضہ کے مطابق تورات وانجیل میں سے ادھر اُدھر سے ایسے ثبوت مہیا کئے جوان کے زعم میں ان شرطوں کو حضرت محمد کی ذات میں پورا کرسکتے تھے۔ واجب تو یہ تھا کہ وہ اپنے دماغوں کی اختراع کی بجائے کتاب اللہ کے اوراق کوپہلے پلٹتے اور انبیائے سابقین کے حالات وپیغامات پر غور وخوض کرکے معلوم کرتے کہ کتاب اللہ نبوت کے مفہوم کو کس طرح متعین کرتی ہے اور پھر اس مفہوم کی روشنی میں اپنے خیالات اور معتقدات کی صیقلی کرکے دیکھتے کہ انبیائے سابقین کی کتابیں ان کے مفروضات کی تائید وتصدیق کرتی ہیں ۔ یا ان کے مزعومات کی تردید کرکے ان کو غلط اور باطل قرار دیتی ہیں۔

ہم نے اس کتاب کے شروع میں انہی اساسی امور پر بحث کرکے نبوت کے صحیح مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس صحیح مفہوم کی روشنی میں طرفین انبیاء اللہ کے مبعوث ہونے کی اصلی غایت اور حقیقی مقصد کو بخوبی سمجھ سکیں اورایسے استدلال سے قطعی پرہیز کریں جو الہیٰ مقصد اور نبوت کے حقیقی منشاء کے منافی ہو۔ لہذا اس رسالہ میں یہ بحث ایک نئے زاویہ سے کی گئی ہے اوراس لحاظ سے یہ رسالہ بالکل نیا ہے گو بحث کا موضوع پُرانا ہے۔ امید ہے کہ مسلم مناظرین ٹھنڈے دل سے غور سے کام لے کر اس کتاب کا مطالعہ کرکے حق کو اختیار کرینگے۔

مسلمان مناظرین اپنے مفروضات کو مدِ نظر رکھ کر تورات شریف کی کتاب استثناء کی مشہور آیات (۱۸ : ۱۵تا ۱۸) کو دعویٰ نبوت محمدیہ کے حق میں ایک بڑی مضبوط اور زبردست دلیل سمجھتے چلے آئے ہیں ۔ چنانچہ آنجہانی مولوی صاحب مذکور کے رسالہ کا معتدبہ حصر انہی آیات کی بحث پر مشتمل ہے۔ پس ہم نے بھی اپنی کتاب کے بیشتر حصہ میں انہی آیات پر بحث کی ہے۔اس کتاب کے لکھنے سے پہلے ہم نے کوشش کرکے مسلمان اوراحمدی مناظرین کی مختلف کتابوں کو جوانہوں نے گذشتہ نصف صدی کے دوران میں اس مضمون پر لکھی ہیں، بایں خیال پڑھا کہ شاید کسی نے اس بحث میں کوئی نیا پہلو نکالا ہو۔ لیکن سب بے سود۔ تمام نے اس پُرانی بحث کی فرسودہ دلائل ہی رٹ سنائی ہیں۔ بقول شخصے ع۔

آنچہ استادِ ازل گفت ہماں مے گوئم

جہاں تک ہمیں معلوم ہے دورِ حاضرہ کے کسی مسلم مناظر نے بھی اس پرانی لکیر سے تجاوز نہیں کیا۔ حالانکہ گذشتہ پچاس سال کے اندوذہن انسانی نے مغربی علوم کی روشنی میں تحقیق حق اور جستجوئے صداقت کے نئے معیار مقرر کردئیے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے ایسی کتابیں اب بالکل دفترِ پارنیہ کی

حیثیت رکھتی ہیں۔ آج کل کے مناظروں میں ان فرسودہ دلائل کو پیش کرنا دماغ کی بجائے پیٹ کو تقویت دینا ہے۔ افسوس ہے کہ تعصب نے مسلم مناظرین کے ذہن ودماغ کو روشنی کے نورُ سے متاثر ہونے نہیں دیا اور وہ تاحال انہی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں جن میں ایک صدی پہلے کے قدامت پسند مسلمان پڑے تھے۔ سچ ہے " نور تاریکی میں چمکتا ہے لیکن تاریکی نے اس کو قبول نہ کیا"(یوحنا ۱: ۵) پس لاچار ہو کر ہم نے بھی مسلم دلائل پر بحث کرتے وقت کسی نئی کتاب کاحوالہ نہیں دیا بلکہ آنجہانی مولوی غلام نبی کی دلیلوں کے اقتباسات پر ہی اکتفا کیاہے۔ سرسید احمد مرحوم کی تمام دلیلیں بھی اس رسالہ میں موجود ہیں پس ہم نے اس کتاب میں سرسید مرحوم کے الفاظ کا صرف کہیں کہیں اقتباس کیا ہے۔

قریباً پنتالیس سال ہوئے اس کتاب کی بعض دلائل مجھے دائرہ اسلام سے منجئی جہان المسیح کے قدموں میں لائیں۔ پس مدت سے آرزو تھی کہ یہ کتاب لکھوں۔ الحمد اللہ کہ آج یہ آرزو پوری ہو گئی۔ میں نے اس کتاب کی تالیف میں دیگر کتب مناظرہ اور بالخصوص حضرت امام المناظرین اکبر مسیح مرحوم کے رسالہ ادعائے اسماعیل سے استفادہ حاصل کیاہے۔

میری دعا ہے کہ خدا اس رسالہ کے ذریعہ متلاشیانِ حق پر اپنی نجات کا نور چمکائے تاکہ وہ بھی میری طرح منجئی عالمین کے قدموں میں آکر نجاتِ ابدی سے بہرہ اندوز ہوں۔

۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء   برکت اللہ

فہرس

باب اوّل

نبوت کا صحیح مفہوم

ضرورت تنقیح

ہمارے مسلم برادران کا یہ خیال ہے کہ نبوت اور پیشینگوئی مترادف الفاظ ہیں۔ نبی وہ ہے جو غیب کی خبریں دیتا ہے اور جو غیب کی خبریں نہیں دیتا وہ نبی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً قادیانی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد آنجہانی کہتے ہیں

"ہم خدا کے ان کلمات کو جو نبوت یعنی پیشین گوئی پر مشتمل ہوں نبوت کے اسم سے موسوم کرتے ہیں اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشین گوئیاں بذریعہ وحی دی جاتی ہیں اس کا نام نبی رکھتے ہیں"(چشمہ معرفت صفحہ ۱۸۰)۔

"خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشینگوئیاں ہوں مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح میں نبی کہلاتا ہے"(حجتہ اللہ صفحہ ۲)۔

" جس شخص کو بکثرت مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امورِ غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاویں وہ نبی کہلاتا ہے"(حقیقت الوحی صفحہ ۳۹۰)۔

"جبکہ وہ مکالمہ اور مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتاہے ۔ جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے"(الوصیت صفحہ ۱۱)۔

سو گیہ مرزا جی ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

" میرے نزدیک نبی اس کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی یعنی قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو۔ اس لئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے" (تجلیاتِ الہیٰ صفحہ ۲۶)۔

یوں مرزا جی نبی اور نبوت کے معنوں کی تخصیص وتعریف کرکے اعلان کرتے ہیں :

"ہمارا صدق وکذب جانچنے کے لئے ہماری پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہوسکتا"۔(وافع الوساوس صفحہ ۲۸۸)۔

مرزا صاحب کے مسلمان مخالفین نے بھی آپ کے پیش کردہ مفہوم نبوت کو تسلیم کرکے بیسیوں کتابیں تصنیف کرکے آپ کی پیشین گوئیوں

کے ایک ایک لفظ کو غلط ثابت کردیا اورآپ پر کذاب ہونے کا فتویٰ صادر کردیا۔

سطور بالا سےظاہر ہوگیا ہوگا کہ مسلمان علماء اور فرقہ قادیانی کے فضلاء سب کے سب اس ایک بات پر متفق ہیں کہ" اسلامی اصطلاح" میں خدا کے ان کلمات کو جو نبوت یعنی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے اسم سے موسوم " کیاجاتاہے۔

اصول تنقیح وتنقید

یہاں سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ آیانبوت کی مذکورہ بالا تعریف اصل حقیقت اور امر واقعہ کے مطابق ہے یاوہ ہمارے مسلمان برادران کا محض ایک خیال ظن اور قیاس ہے جس کو اہلِ بصیرت کے نزدیک کوئی وقعت حاصل نہیں۔ پس لازم ہے کہ ہم اس " اسلامی اصطلاح" کو واقعات کی کسوٹی پر جانچیں اور حقیقت کے معیار سے پرکھیں تاکہ نبوت کی اس تعریف کی صحت پر روشنی پڑسکے۔

اس امر کو جانچنے کے لئے ہمیں انبیائے سابقین کی زندگی کےواقعات پیغامات اور کلمات کی جانچ پڑتال کرنی ہوگی۔ یہ باتیں کتابِ مقدس یعنی عبرانی کتبِ مقدسہ اورانجیل جلیل کے مجموعہ میں مذکور ہیں۔پس لازم ہے کہ ہم نبوت کی مذکورہ بالا تعریف کو مدِ نظر رکھ کر انبیائے اسرائیل کے بیانات اور سوانح حیات کا غور وتدبر سے مطالعہ کریں تاکہ اصل حقیقت کی تہ کو پہنچ سکیں۔ یہ طریقہ کار اصولِ تنقید کے مطابق ہے جس پر عمل درآمد کرکے ہم ہر قسم کے سوظن سےبچ کر نبوت کے حقیقی مفہوم کودریافت کرسکتےہیں۔

کتابِ مقدس اور نبوت

کتابِ مقدس میں " نبی" کے لئے چند خطابات مستعمل ہوتے ہیں جن پر غور کرنے سے ہم نبوت کے مفہوم کو صحیح طورپر سمجھ سکتےہیں۔

عبرانی کتبِ مقدسہ میں " نبی " کو" مردِ خدا " کا خطاب دیا گیا ہے (۱سیموئیل ۹: ۶وغیرہ)۔وہ " خدا کا خادم" ہے(یسیعاہ ۴۲: ۱۹وغیرہ) وہ " خدا کا رسول" ہے جو خدا کے آگے " راہ درست کرنے والا ہے"(ملاکی ۲: ۱) وہ خدا کی طرف سے " تفسیر کرنے والا " ہے(یسیعاہ ۴۳: ۲۷) ۔وہ " اپنی دیدگاہ پر کھڑاہوکر اور بُرج پر چڑھ کر انتظار کرنےولا" ہے (حبقوق ۲: ۱) گو وہ خدا اورانسان کے بیچ ایک " درمیانی " کی حیثیت رکھتاہے۔ وہ خدا کا"منہ" ہے جو خدا کا پیغام اپنی قوم کے لوگوں تک پہنچاتا ہے(خروج ۴: ۱۶۔۷: ۱۔ یرمیاہ ۱۵: ۱۹وغیرہ) نبی خدا کے نام سے کلام کرتاہے اورالہیٰ اختیار سے لوگوں کو پیغام دیتاہے اوراس کے پیغام کا تعلق بالخصوص اس کے اپنے زمانہ کے ساتھ ہوتاہے۔ لیکن زمانہ ماضی کے گذشتہ واقعات سے وہ

مثالیں دے کر اپنے پیغام کو مضبوط کرتا ہے اور اپنے قریب کے زمانہ مستقبل کی نسبت اپنے لوگوں کو آگاہ اور خبردار کرتا ہے۔

انبیاء کے فرائض منصبی

(۱۔) انبیاء اللہ خدا کی ذات وصفات کے بیان کرنے والے تھے۔ خدا نے ان کی معرفت " طرح بہ طرح اورحصہ بہ حصہ کلام کرکے " (عبرانیوں ۱: ۱) بنی اسرائیل کو یہ تعلیم کہ وہ صرف بنی اسرائیل کا ہی معبود نہیں بلکہ اکیلا، واحد اور لاشریک، حقیقی معبود اور زندہ خدا ہے جو تمام کائنات کا خالق ومالک اور ایک ایسی قدوس رحمان ورحیم ہستی ہے، جس کی رضا یہ ہے کہ اس کے پرستار اس کی مانند پاک اور رحمدل ہوں۔

ہر نبی کا پیغام اس کے اپنے حالاتِ زمانہ اور دور کی ضروریات سے تعلق رکھتا تھا۔ انبیاء اپنے زمانہ کے واعظ تھے جن کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو ہر وقت اور ہر جگہ خدا کی ذات وصفات بتلا کر رضائے الہیٰ کو ان پر ظاہر کریں۔ اوران الہیٰ احکام کو واضح کریں جو ضرورتِ زمانہ کے مطابق خدا کی طرف سے ان پر واجب تھے۔

(۲۔) انبیاء زمانہ ماضی کے دنیاوی تاریخی واقعات پر نظر ڈال کر ان کی تاویل وتفسیر خدا کی ذات وصفات کی روشنی میں کیا کرتے تھے۔ اسی لئے کتابِ مقدس کے مجموعہ میں تواریخی کتابیں بھی شامل ہیں جن کے مصنف انبیاء اللہ تھے۔ ان کتابوں کی تالیف کی غرض یہ تھی کہ قوم اسرائیل جان لے کہ خدا کی پروردگاری کا ہاتھ اس دنیا کے واقعات اور قوم اسرائیل کی تاریخ میں موجود ہے اور کہ خدا کا مقصد دنیا میں اور بالخصوص قوم اسرائیل میں ظاہرہ (زبور ۷۸: ۔ عاموس ۲: ۱۰ تا ۱۲۔ ۳: ۱۔ ۹: ۷۔ ہوسیع ۹: ۱۰۔ ۱۲: ۹ تا ۱۳۔ ۱۳: ۴ وغیرہ) جو زمانہ مستقبل میں پورا ہو کر رہے گا۔

(۳۔) انبیاء اللہ اپنی قوم کی توجہ نزدیک کے زمانہ مستقبل کی جانب بھی منعطف کیا کرتے تھے تاکہ ان کو آنے والے الہیٰ غضب سے آگاہ کریں یا ان کو امید دلا کر ان کی ڈھارس باندھیں اور تسلی دے کر ان کا حوصلہ بلند کریں۔ وہ اپنے لوگوں کو کہتے تھے کہ اگر وہ راستی اور انصاف کو مد نظر رکھیں گے تو خدا کی بادشاہت تمام دنیا میں قائم ہوجائیگی لیکن اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ نہ کریں گے تو خدا ان کو فتح امن اور سلامتی نہیں بخشیگا بلکہ ان کو سزا دے گا۔(عاموس ۵: ۱۸۔ یرمیاہ ۱۹ باب وغیرہ)۔ وہ کہتے تھے کہ گو خدا قوم اسرائیل کو ان کے گناہوں کی سزا دیگا تاہم یہ سزا واجبی ہوگی اور سزا کے زمانہ اختتام کے بعد قوم کی حالت روبہ اصلاح ہوجائیگی۔

مثلاً جب آخز جیسا بدکار شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا اس تاریک زمانہ میں حضرت یسعیاہ نے قوم کو کہا کہ موجودہ حالات کے باوجود خدا صلح اور راستی کی سلطنت قائم کرے گا (۹: ۲ تا ۷)۔ یہوداہ کی بادشاہت کے زوال کے شروع میں حضرت یرمیاہ ایک ایسے بادشاہ کی آمد کی خبر دیتا ہے جو نیک لوگوں پر

خدائے برحق کے احکام کے مطابق حکمرانی کریگا (۳۳: ۵تا ۶) جب قوم اسرائیل کے حالات نہایت حوصلہ شکن اورمایوس کن تھے۔ اس زمانہ میں بھی نبی قوم کی ڈھارس باندھ کر بشارت دے کر کھتا ہے کہ صیون اقوامِ عالم کی عبارت کامرکزہوگا(یسعیاہ ۴۰باب وغیرہ)۔

" پس انبیاء اللہ خدا کا " منہ " تھے جو قومی اور ملی زندگی کے ہر پہلو کو خدا کی ذات وصفات کی روشنی میں دیکھ کر اور خدا کی رضا کا قوم وملت کے ہر شعبہ پر اطلاق پر احکامِ الہیٰ کو لوگوں پر ظاہر کرنے والے تھے۔ ان کا پیغام لوگوں کے لئے چراغ راہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے ک مقدس پطرس فرماتاہے " ہمارے پاس نبیوں کاوہ کلام ہے جو زیادہ معتبر ٹھہرا اور تم اچھا کرتے ہوجو یہ سمجھ کر اس پرغور کرتے ہو کہ وہ ایک چراغ ہے جو اندھیری جگہ میں روشنی بخشتاہے (جب تک پو نہ پھٹے اور صبح کا ستارہ تمہارے دلوں میں نہ چمکے"(۱ پطرس ۱: ۱۹)۔

ہم نے نہایت مختصر طورپر انبیاء اللہ کے کام وپیغام پر تبصرہ کیاہے تاکہ اس کی روشنی میں ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی تعریف نبوت کو جانچ سکیں۔ اس تبصرہ سے ظاہر ہے کہ انبیاء کے فرائض منصبی کا تعلق خاص طورپر صرف ان کے اپنے زمانہ اور دور سے ہی ہوتا تھا اور کہ ان کے پیغام کا اہم ترین عنصر روحانی اور اخلاقی پہلوؤں سے ہی متعلق تھا۔

پیشین گوئی کی حقیقت

اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں انبیاء اپنے قریب کے زمانہ مستقبل کی نسبت پیشین گوئی کرتے تھے ۔ لیکن ان کی نبوتوں کامطالعہ یہ امر ظاہر کردیتاہے کہ ان کا خاص کام پیشین گوئیاں کرنا نہ تھا اور نہ ان کی پیش خبریاں ان کی نبوت کا اہم ترین جزوہوتی تھیں۔ ان پیش خبریوں کی بنیادانبیاءاللہ کا یہ ایمان تھا کہ خدا اپنے مقصد کو اپنے فرمانبردار خادم انبیاء پرظاہر فرماتاہے (عاموس ۳: ۷) اور وہ اپنے اس مقصد کے مطابق دنیا کا کاروبار چلاتا ہے کہ زمانہ ماضی اور دورِ حاضرہ کی طرح زمانہ مستقبل میں بھی خدا کی پروردگاری کا ہاتھ موجودرہیگا۔

پس انبیاء اللہ کی نبوت میں مقدم امر رضائے الہیٰ کا مکاشفہ ہوتاہے اور نبی کے پیغام کا اصل مرکزخدا کی مرضی کو قوم وملت پرظاہر کرناہے۔ اگرچہ اس مکاشفہ میں بعض اوقات مستقبل کا جزوہوتاہے۔ لیکن اس جزو کا ہونا نبوت کے لئے لازمی اورلابدی نہیں ہے۔ بالعموم نبی کے مکاشفہ کا اہم حصہ یہ ہوتاہے کہ وہ اپنے دور اور زمانہ کے واقعات پر الہیٰ نقطہ نظر سے نگاہ ڈالتاہے۔ مثلاً ٹڈیوں کا آنا (یوئیل نبی کی کتاب) یا کسی فاتح کا سزا وجزا کے لئے برپا ہونا(یرمیاہ ۲۵: ۹۔ یسعیاہ ۴۵: ۱وغیرہ)۔

پیشین گوئی کا پورا ہونا نبوت کے صدق کا معیار نہیں ہوسکتا

سطور بالا سے ظاہر ہوگیا کہ کہ سچے نبی کا حقیقی معیار یہ ہے کہ نبی کا پیغام خدائے قدوس و برتر کی رضا کو انسان پر ظاہر کرتاہے اور کیا یہ پیغام قوم کے لئے " چراغ راہ" ہے اس پیغام کا پیش خبریوں کے ساتھ کوئی لازمی رشتہ نہیں ہے ۔ نبی کے صدق وکذب کو جانچنے اوراس کی پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کوئی باہمی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ کتابِ مقدس کا مطالعہ ہم پر ظاہر کردیتاہے کہ انبیاء کی پیش گوئیوں کے الفاظ کا بہ تفصیل پورا ہونا ان کے پیغام کی سچائی کا معیار اوران کے برحق ہونے کی کسوٹی نہیں ہے۔ چنانچہ اس میں کلام نہیں ہوسکتا کہ بعض پیشینگوئیوں کے الفاظ بجنسہ پورے نہیں ہوئے۔ مثلاً اگرچہ دمشق کو شکست نصیب ہوئی لیکن یہ الفاظ پورے نہ ہوئے کہ وہ " شہر نہ رہیگا بلکہ کھنڈر ہوگا"۔(یسعیاہ ۱۷: ۱) اسی طرح اگرچہ بائبل کو شکست ملی لیکن نبی کے تفصیل وار پورے نہ ہوئے (یسعیاہ ۱۳: ۱۵تا ۱۸)۔

حق تو یہ ہے کہ خود انبیاء کو یہ احساس تھا کہ اگر خدا کے فضل وکرم سے قوم اپنے گناہوں سے توبہ کرکے خدا کی جانب رجوع کرے گی اورحالات بدل جائیں گے تو ان کی پیش خبریاں بھی پوری نہ ہوں گی (یرمیا ۱۸: ۷تا ۱۰)۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ حضرت یوناہ نبی کوخدا سے یہ شکایت تھی کہ خدانے اس کو نذیر بنا کر اور تباہی کا پیغام دے کر بھیجا۔ لیکن اس نے اپنے رحم کو کام میں لاکر نینوہ کے لوگوں کی توبہ قبول کی فرمائی اوراس کی پیشن گوئی کو پورا نہ ہونے نہ دیا(۳: ۴تا ۱۰۔ ۴: ۱)۔

پس انبیاء اللہ کے پیغام کا وہ حصہ جس کا تعلق زمانہ مستقبل سے تھا ہمیشہ مشروط ہوتا تھا۔ اگر انسان توبہ کرکے خدا کی طرف رجوع کرے تو نبی کی پیش خبری کے الفاظ پورے نہیں ہوسکتے کیونکہ خدا رحیم وکریم ہے اوراپنے لوگوں کے گناہ معاف فرماتاہے(یرمیاہ ۱۸: ۱تا ۱۲۔ ۲۶: ۱۲تا ۱۹ وغیرہ) ہم اس بات کو ایک عام مثال سے واضح کردیتے ہیں۔ کسی پیشن گوئی میں اوراس کے پورا ہونے میں بعینہ وہی تعلق جو بیج اور درخت میں ہوتاہے۔ ہر پیش خبری خدا کی راست بازی اور قدوسیت کے اصول اپنے اندر رکھتی ہے جو تخم کی طرح ہے۔ جس طرح سازگار حالات میں تخم نشوونما پاتاہے اور رفتہ رفتہ تناور درخت ہوجاتاہے اسی طرح خدا کی راست بازی کے اٹل اصول کی وجہ سے پیش خبری موافق ماحول میں نشوونما پاک کر زبردست واقعہ کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور یہ واقعہ قوم کی ترقی یا تنزل کا باعث ہوتاہے۔ کسی پیشین گوئی کی تکمیل اور اس ازمی اور اٹل قانونِ فطرت پر منحصر ہے کہ جو شخص یا قوم خدا کے احکام سے برگشتگی اختیار کرلیتی ہے اس کا انجام تباہی ہے۔ برعکس اس کے جب کوئی شخص یا قوم رضائے الہیٰ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالتی ہے اس کا

قدرتی نتیجہ انفرادی فلاح بہبودی اور قومی ترقی ہے انبیائے سابقین کی کتب کا مطالعہ یہ ثابت کردیتاہے کہ انبیاء صرف ان معنوں میں ہی آئندہ واقعات کی خبریں دیا کرتے تھے اور صرف انہی معنوں میں پیشین گوئی نبوت کا جزو ہوسکتی ہے ۔ لیکن اگر پیشین گوئی اور نبوت سے یہ مراد ہو کہ انبیاء کرام نے ایسے واقعات کی خبردی ہے جو ان کے مرنے کے صدیوں بعد ظہور میں آئے اوران کے الفاظ لفظ بلفظ اور حرف بحرف پورے ہوئے تو کتاب مقدس سے اس قسم کے نظریہ کو کوئی سہارا نہیں ملتا۔

مثال کے طور پر سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کو لیں۔آپ نے یروشلیم کی تباہی اور قوم یہود کی بربادی کی خبر دی (مرقس ۱۰ باب۔لوقا ۲۱ باب۔ متی ۲۳ باب ۲۹ تا ۳۶ وغیرہ)۔آنخداوند کی ان پیش خبریوں سے (جن کا تعلق نزدیک کے مستقبل سے ہی تھا) یہ واضح ہوجاتاہے کہ انبیاء اللہ کن معنوں میں مستقبل کی خبریں دیا کرتے تھے۔آنخداوند اپنی قوم کو توبہ کی دعوت دیتے رہے تاکہ خدا کی بادشاہت اوراس کی راست بازی دنیامیں قائم ہوجائے۔ لیکن رؤسائے قوم یہود شیطانی تحریکات پر چل کر خدا کے پاک قوانین کی خلاف ورزی کرتے رہے پس آنخداوند نے ان کو خبردار کیا اورفرمایا کہ خدا کے روحانی قوانین اٹل ہیں جن کو توڑنے کا نتیجہ قومی بربادی ہوگی۔ بلاآخر ۷۰ء میں بنی اسرائیل کو وہ دن دیکھنا پڑا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی اور آنخداوند کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کیونکہ خدا کے ازلی قانون فطرت کے مطابق اس کی تکمیل لازمی تھی۔

کاذب نبی کا شناخت

کتاب مقدس کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتاہے کہ جھوٹے نبی کی شناخت یہ نہیں ہے کہ اس کی پیشین گوئیاں پوری نہیں ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹے نبی مختلف قسم کے ہوا کرتے تھے اور قوم کےسامنے مختلف رنگوں میں آیا کرتے تھے۔ وہ گرگٹ کی طرح قوم کے مذہبی اور سیاسی حالات اور پارٹیوں کی طاقت کے مطابق اپنا رنگ بدل لیا کرتے تھے ۔ جب بادشاہ وقت بُت پرستی کی جانب مائل ہوتا تو وہ بت پرستی کے حامی ہوجاتے ۔ کبھی وہ کسی سیاسی پارٹی کے لیڈروں سے مل کر ان کے پروگرام کے مطابق ان کی سی باتیں کرتے اور قوم کو کہتے کہ یہ خدا کا پیغام ہے (یرمیاہ ۱۴: ۱۴۔ ۲۳: ۱۶تا ۲۶ وغیرہ) کبھی وہ اپنا پیٹ پالنے کے لئے امراء اور رؤسائے ملک کو خوش کرنے کی خاطر ان کی طرفداری کرکے اپنے کلام کو خدا کی جانب منسوب کردیتے تھے (حزقی ایل ۱۳: ۲تا ۷۔ میکاہ ۳: ۱۱۔ رومیوں ۱۶: ۱۸۔ ۲پطرس ۲: ۳)۔

چنانچہ حضرت یرمیاہ کہتاہے "نبیوں کی بابت میرا دل ٹوٹ گیا۔ میری ہڈیاں تھرتھراتی ہیں۔ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ انہوں نے بعل

کے نام سے نبوت کی اورمیری قوم اسرائیل کو گمراہ کیا۔ نبی زناکار جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں ۔ان کی وجہ سے تمام ملک میں بے دینی پھیلی ہے۔وہ بطالت کی تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں ۔ میں (خدا) نے ان نبیوں کو نہیں بھیجا پر یہ دوڑتے پھرتے ۔ میں نے ان سے کلام نہیں کیا پر انہوں نے نبوت کی لیکن اگر وہ میری مجلس میں شامل ہوتے تومیری باتیں میرے لوگوں کو سناتے اوران کو ان کی بُری راہ سے اوران کے بُرے کاموں کی برائی سے باز رکھتے۔ کب تک یہ نبیوں کے دل میں رہے گا کہ جھوٹی نبوت کریں۔ وہ اپنے دل کی فریب کاری کے نبی ہیں۔ خداوند فرماتاہے میں ان نبیوں کا مخالف ہوں جو اپنی زبان کو استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا فرماتاہے "(یرمیاہ ۲۳ باب ۔ ۶: ۱۳ وغیرہ)۔

سیدنا مسیح نے بھی جھوٹے نبیوں کا یہی معیار مقرر فرمایا ہے"جھوٹوں نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں ۔ لیکن باطن میں پھاڑنے والے بھیڑئیے ہیں ۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔ پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے"(متی ۷: ۱۵ تا ۲۰)۔

کتاب مقدس میں چند جھوٹے نبیوں کا احوال اوران کی عبرتناک سزا کا ذکر بھی آیا ہے (استثنا ۱۳: ۱ تا ۳۔ ۱ سلاطین ۱۲: ۱۸۔ ۲۲: ۶ تا ۱۲ ۔ ۲ تواریخ ۱۸: ۵۔ یرمیاہ ۱۴: ۲۰، ۲۳، ۲۸، ۲۹ باب ۔ نوحہ ۲: ۱۴ ۔ زکریا ۱۳ : ۳ وغیرہ) مقدس پولوس رسول ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتاہے کہ" ان کا خدا پیٹ ہے اوروہ دنیا کی چیزوں کے خیال میں رہتے ہیں۔ وہ خدا کی نہیں بلکہ اپنے پیٹ کی خدمت کرتے ہیں اور چکنی چپڑی باتوں سے سادہ لوحوں کو بہکاتے ہیں (فلپیوں ۳: ۱۹ ۔رومیوں ۱۶ : ۱۸)۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا اس قماش کے لوگوں کی معرفت کلام نہیں کرتا کیونکہ ان کے ذہن الہیٰ عرفان کے نور سے منور نہیں ہوتے۔ سچی نبوت کا تعلق حقیقی دینداری سے ہے جس کا اولین اصول یہ ہے کہ جو عہد خدائے قدوس برحق نے قوم اسرائیل سے باندھا تھا اس پر عمل درآمد ہوا اوریہی بات سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان مایہ الامتیاز ہے۔ خدا کےعہد کے اصولوں کو فراموش کرکے پسِ پشت پھینک دیناہی نبوت کی روح کو گم کردینے کے برابر ہے۔ سچے نبی اور حقیقی دینداری کے حقائق اور اصول بیان کرنے والے اوراپنے اپنے دور اورزمانہ کے حالات میں اپنی قوم کو ان کے اصولوں پر چلانے والے انسان تھے۔ ان کے کلام کا تعلق براہ راست اور خاص طورپر ان کے اپنے زمانہ اوران کے اپنے ہمعصروں کے ساتھ ہوتا تھا جن کو وہ راہِ ہدایت پر چلانا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

عبرانی لفظ "نابی" کا مفہوم

عبرانی زبان میں لفظ" نابی " کے صرفی اور لغوی معنی میں پیش خبری کا مفہوم موجود نہیں[1]۔ مثلاً جب حضرت ابراہام کو " نبی "کہا گیا (پیدائش ۲۰: ۷) یادیگر بزرگان اسرائیل کو" نبی "کا خطاب دیا گیا ہے (زبور ۱۰۵: ۱۵) تو اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ پیشین گوئیاں کرنے والے تھے بلکہ اس لفظ سے مراد یہ تھی کہ ان بزرگانِ قوم کو خدا کی قربت حاصل تھی اور وہ رضائے الہیٰ کو لوگوں پر ظاہر کرنے والے قومی پیشوا تھے۔ بالفاظِ قرآن وہ " امام" اور" رہنما" تھے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت موسیٰ کو" نبی" اس واسطے کہا گیا ہے کہ وہ اس پرانے عہد کے اعلان کرنے والے تھے جو خدا نے بنی اسرائیل سے باندھا تھا۔ وہ خدا کی مرضی کو اپنی قوم پر ظاہر کیا کرتے تھے لیکن ان کا کلام پیشین گوئی کرنا نہ تھا بلکہ اس کا فرض منصبی یہ تھا کہ وہ قوم کے ہادی اورراہنما ہوں۔ اسی واسطے تورات شریف میں حضرت موسیٰ میں اور پیشین گوئیاں کرنے والوں میں تمیز کی گئی ہے(گنتی ۱۲: ۶تا۷)۔ جس طرح حضرت ہارون ، حضرت موسیٰ کے پیامبر تھے اسی طرح حضرت موسیٰ خدا کے نبی او رپیامبر تھے (خروج ۷: ۱) علیٰ ہذا القیاس حضرت سموئیل خدا کے نبی اس لئے نہیں تھے کہ وہ پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا کے نبی تھے کیونکہ وہ اپنی قوم کے ہادی تھے۔ انہوں نے " انبیا زادوں" کے مدرسے قائم کئے (۱سیموئیل ۱۰: ۵۔ ۱۹: ۱۹۔ ۲سلاطین ۲: ۳تا ۵۔ ۴: ۳۸۔ ۶: ۱ وغیرہ)۔ تاکہ ان میں تورات شریف کا مطالعہ کیا جائے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ عبرانی میں لفظ" نبی " کے مفہوم میں پیش خبری کے عنصر کو کوئی خاص جگہ حاصل نہیں ہے۔ بلکہ لفظ نبی کے معنی یہ ہیں کہ خدا اپنے پیامبر کی پشت پر ہے اور اپنی ربانی تحریک سے اس کو اپنےزمانہ اور قوم کے لوگوں سے بولنے پر مجبور کرتاہے۔ نبی کو یہ پیغام خدا کی طرف سے ملتا تھا اوراسے پیغام دیئے بغیر چین نہ آتا تھا (۱سیموئیل ۹: ۱۵۔ یرمیاہ ۱: ۶ حزقی ایل ۳: ۱۴۔ عاموس ۳: ۸ وغیرہ)۔ خوا نبی پیغام پہنچانا نہ بھی چاہے تاہم وہ اس کو پہنچائے بغیر نہ رہ سکتا تھا (خروج ۴: ۱۰ تا ۱۳ وغیرہ) بقول شخصے۔

مرادیست اندردل اگر گوئم زباں سوزد
وگردم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

نبوت اور فلسفہ تاریخ

ناظرین پر اب ظاہر ہو گیا ہوگا کہ انبیاء سابقین کی زندگی کے واقعات ، پیغامات اور کلمات اس نظریہ کے سراسر خلاف ہیں کہ نبوت اور پیشین گوئی مترادف الفاظ ہیں۔ خدا اپنے انبیاء کو اس مقصد کے لئے برپا نہیں کرتا کہ وہ بنی

[1] Smith's Dictionary of the Bible .vol.2.p.929 b

نوع انسان پر دور و نزدیک کے مستقبل کے حالات ظاہر کرے کتابِ مقدس کا
مطالعہ اس قسم کے قیاس کو باطل ثابت کرتاہے کہ انبیاء کو نبوتیں گویا معکوس
تاریخ Inverted History ہوتی ہیں ایسا کہ اگر دنیا کے تواریخی واقعات کی
ترتیب کو شروع سے آخر تک الٹ دیا جائے تو وہ انبیاء اللہ کی نبوتیں بن جاتی
ہیں اور اگر ان نبوتوں کو زمانہ مستقبل میں پھیلادیا جائے تو وہ قیامت تک
کے تاریخی واقعات بن جاتی ہیں لیکن نبوت کوئی معکوس تاریخ نہیں ہے۔ اس
کے برعکس نبوت کا فلسفہ تاریخ ہے جس میں دورحاضرہ کے واقعات پر خدائے
برتر وقدوس کی ذات وصفات کی روشنی میں تبصرہ کیا جاتا ہے ۔ اور یہ بتایا
جاتاہے کہ اگر افراد یا قوم نے خدا کے حکام کی خلاف ورزی کی تو مستقبل میں ان
کا کیا حشر ہوگا۔ نبی دنیاوی تاریخی واقعات کے اندرونی مطالب۔ پنہانی مقاصد
اور پوشیدہ معانی کو قوم پرظاہر کرتاہے۔ یہی وہ فرض تھا جو خدا تعالیٰ نے اپنے
خدمت گزار نبیوں کے سپرد کیا تھا۔ انبیاء کرام کا یہ کام نہیں تھا کہ ان لوگوں
اور واقعوں کو خبریں جوہزاروں سال بعد ہونے والے تھے۔ وہ فالگیر اور بخومی یا
رمال اور جوتشی نہیں تھے بلکہ خدائے قدوس کے فرمانبردار پیامبر اور برگزیدہ
تھے۔

نبوت کا مفہوم اورانجیل

پس عہدِ عتیق کی کتب کا مطالعہ ہم پر ثابت کردیتاہے کہ انبیائے
کرام کا اولین فرض یہ تھا کہ قوم اسرائیل کو ہدایت کی راہ پر چلائیں۔ انجیل
جلیل کا مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ خدا کے نبی کا یہ فرض تھا کہ لوگوں کو "
آنے والے غضب" کی اطلاع دے (لوقا ۳: ۷تا ۲۰)۔ اورمنادی کرے کہ "
توبہ کرو اور توبہ کے موافق پھل لاؤ"(متی ۳: ۲، ۸)۔ حضرت ابن اللہ نے بھی
اپنی نبوت کا زمانہ اسی طرح شروع کیا(متی ۴: ۱۷)اوراسی طرح ختم کیا(متی
۲۳ باب) خداوند کا رسول مقدس پولوس مختلف نعمتوں کے تذکرہ کےدوران
میں فرماتاہے کہ " تم محبت کے طالب ہو اور روحانی نعمتوں کی بھی آرزو رکھو
خصوصاً اس کی کہ نبوت کرو"۔ اور نبوت کا مفہوم ان الفاظ میں بتلاتاہے کہ "
جو نبوت کرتاہے وہ کلیسیا کی ترقی کرتاہے ۔ پس میں زیادہ تریہی چاہتا ہوں کہ
تم نبوت کرو۔" (۱کرنتھیوں ۱۴: ۱تا ۵)۔ رسول مقبول انبیائے سابقین
کی نبوتوں کی نسبت فرماتاہے ۔ " جتنی باتیں پہلے لکھی گئیں وہ ہماری تعلیم
کے لئے لکھی گئیں تا کہ صبر سے اور کتابِ مقدس کی تسلی سے امید رکھیں (دوم
۱۵: ۴) وہ اپنی نبوت کی نسبت فرماتاہے کہ وہ جھوٹے نبیوں کی باتوں کی
مانند نہیں ہے بلکہ خدا کو حاظر وناظر جان کر کھتا ہے کہ " ہماری نصیحت نہ تو
گمراہی سے ہے ، نہ ناپاکی سے نہ فریب کے ساتھ بلکہ جیسے خدا نے ہم کومقبول

کرکے انجیل ہمارے سپرد کی ویسے ہی ہم بیان کرتے ہیں۔ آدمیوں کو نہیں بلکہ خدا کو خوش کرنے کے لئے جو ہمارے دلوں کو آزماتا ہے۔ نہ کبھی ہمارے کلام میں خوشامد پائی گئی اور نہ وہ لالچ کا پردہ بنا خدا اس کا گواہ ہے"(۱ تھسلنیکیوں ۲: ۳تا ۵)۔

پس تورات مقدس ،انبیائے سابقین کی کتابیں۔ اہل یہود کی کتب تواریخ اورانجیل جلیل کی تمام کتابیں سب کی سب اس بات پر گواہ ہیں کہ نبی کاپہلا اور اولین فرض یہ تھا کہ خدا کے پیغام کو اپنی قوم کے لوگوں تک پہنچا دے تاکہ وہ خدا کے احکام نصحیت اور تسلی کے کلمات سن کر صراط مستقیم پر قائم رہیں۔ نبی کا یہ کام نہ تھا کہ دنیا کوہزاروں برس کے بعد ہونے والے واقعات یا آنے والے پیغمبروں کی اطلاع دے" بلکہ اس کا فرض منصبی یہ تھا کہ وہ نذیر اور بشیر ہو کر مخلوق خدا کو راہِ ہدایت پر چلائے۔

نبی کس کے حق میں کہتا ہے؟

معترض یہ سوال کرسکتا ہے کہ اگر نبوت کا مفہوم یہی ہے اورانبیاء کا یہ کام نہیں تھا کہ صدیوں بعد کے کسی آنے والے پیغمبر یا واقعہ کی خبردیں تو سیدنا مسیح کے رسول اورانجیل نویس کیوں کہتے ہیں " جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھاوہ پورا ہوا؟"(متی ۱ ۲۲وغیرہ) جواباً عرض ہے:

سیدنا مسیح نے خود فرمایا اورآپ کے رسول اور مبلغ بھی یہی سمجھے کہ آپ کی آمد کی علت غائی یہی تھی کہ آپ کے مشن سے تورات اور انبیاء کی ہستی کا اصل مقصد تکمیل پاجائے(متی ۵: ۱۷- رومیوں ۱۳: ۸تا ۱۰ - گلتیوں ۳: ۲۴وغیرہ) وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ انبیائے سابقین کی کتب آنخداوند کے کام اور پیغام کی روشنی میں معنی خیز ہوجاتی ہیں(لوقا ۴: ۱۸تا ۲۲- ۲۴: ۲۷- یوحنا ۱: ۴۵- ۵: ۳۹-اعمال ۸: ۳۵وغیرہ) وہ منجئی عالمین کی مبارک زندگی کے مختلف مراحل ومنازل پر باریک نگاہ کرکے انبیائے سابقین کی کتب مقدسہ کے الفاظ کو ان پر چسپاں کرکے تفصیل وار یہ بتلائیں کہ آپ کے سوانح حیات، معجزات بینات اور کلماتِ طیبات میں اور ان کی کتابوں کی پیش خبریوں میں ہر پہلو سے مطابقت موجودہے۔ حضرت کلمۃ اللہ نے کبھی اپنی مقدس زندگی کے خفیف واقعات میں اور انبیائے سابقین کی کتابوں کے الفاظ میں مطابقت دکھلا کر اہل یہود سے نہ فرمایا کہ پیشین گوئیوں کے الفاظ (جو صدیوں پہلے کے ہیں) ہو بہو واضح اور صاف طور پر ایک ایک کرکے میرے لئے اور صرف میرے لئے ہی لکھے گئے ہیں۔ اور ان کا تعلق انبیاء سابقین کے زمانہ سے یاان کے نزدیک کے مستقبل سے نہ تھا۔ جب حضرت کلمۃ اللہ انبیائے سابقین کا ذکر کرتے ہیں۔ تو ان مقامات کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ آپ کے ذہن مبارک میں تاکید لفظی کا خیال تک موجود نہیں ہے بلکہ آپ کا زور بیان ان کتابوں کے روحانی مفہوم کی جانب سے ان انبیاء کے

پیغام کا ماحصل تھا۔ آپ بتاکید فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے شارع سلاطین، انبیاء سب کے سب اس روحانی مقصد کے حصول اور تکمیل کے دیکھنے کے خواہشمند تھے جو آپ کی مبارک آمد سے کامل ہوا(متی ۱۳: ۱۷۔ لوقا ۱۰: ۲۳تا ۲۴۔ ۱۷: ۲۲۔ یوحنا ۸: ۵۷۔ عبرانیوں ۱۳: ۱۳، ۲۹، ۴۰۔ ۱پطرس ۱: ۱تا ۱۲۔)۔

ہاں یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جب آنخداوند کے رسول انجیل نویسوں اور مبلغوں نے منجئی عالمین کی ظفریاب قیامت کے بعد آپ کے سوانح حیات صلیبی موت اور قیامت کی روشنی میں انبیائے سابقین کی کتبِ مقدسہ کا مطالعہ کیا تو ان کو جگہ جگہ ایسے مقامات نظر آئے جو حضور کی زندگی موت اور قیامت پر عین بعین صادق آتے تھے۔

مثلاً جب ہم انبیاء اللہ کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں توہم پر ظاہر ہوجاتاہے کہ قوم اسرائیل کے نبی خدا کی سلطنت کے قائم کرنے میں سدا کوشاں رہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ شاہانِ اسرائیل ان کے لائحہ عمل پر نہیں چلتے بلکہ متعدد نالائق بادشاہ خدا کی بادشاہت کے قوانین کی صریح خلاف ورزی کرکے قوم اسرائیل کے زوال کا باعث بن رہے ہیں (۲ تواریخ ۱۸ باب تاآخر) تووہ ایک صادق بادشاہ اور راستباز حکمران کی نبوت کرتے جو ارضِ مقدس پر صداقت سے سلطنت کریگا اور خدا کی بادشاہت زمین پر قائم کریگا ایسا کہ ایک نئی زمین اور نیا آسمان معرضِ وجود میں آجائیگا۔ مثال کے طورپر یسعیاہ نبی کی نبوت ملاحظہ فرمائیں:

"یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلیگی اوراس کی جڑوں سے ایک بارآور شاخ پیدا ہوگی اور خداوند کی روح اس پر ٹھہرے گی ۔ حکمت اور خرد کی روح مصلحت اور قدرت کی روح ، معرفت اور خداوند کے خوف کی روح، وہ راستی سے مسکینوں کا انصاف کریگا۔ وہ اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو فنا کر ڈالیگا۔ اس کی کمر کا پٹکا راست بازی ہوگی اوراس کے پہلو پر وفاداری کا پٹکا ہوگا۔ پس بھیڑ یا برہ کے ساتھ رہیگا اور چیتا بکری کے بچے کے ساتھ بیٹھیگا اور بچھڑا اور شیر بچہ اور پلاہوا بیل مل جل کر رہینگے۔ دودھ پیتا بچہ سانپ کے بل کے پاس کھیلیگا۔ جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی۔ لوگ یسی کی اس جڑ کے طالب ہوں گے جو لوگوں کے لئے ایک نشان ہے اور اس کی آرامگاہ جلال ہوگی"۔(۱۱یسعیاہ: ۱تا ۱۱۔ ۴: ۵۔ ۹: ۶۔ یرمیاہ ۲۳: ۵وغیرہ)۔

اسی طرح جب انبیاء اللہ نے قوم اسرائیل کی زبون حالی اور ابتر حالت کا ملاحظہ کیا تو وہ دست تاسف مل کر بار بار اپنی قوم کو وہ عہد یاد دلاتے تھے جوانہوں نے خدا سے کیا تھا اور جس کو قوم نے اپنی برگزیدگی کو فراموش کرکے پس پشت پھینک دیا تھا۔ ان انبیاء نے ان کو جتلادیا کہ خداکے لوگ کامل

ہوں گے جب خدا خود ان کے درمیان سکونت کرے گا (یسعیاہ ۹ باب۔ صفنیاہ ۳: ۱۶۔ ۴۰: باب۔زبور ۱۰۲ وغیرہ)۔

لیکن اہل یہود کے انبیاء میں اس قدر وسعت ِ نظری نہ تھی کہ وہ مذکورہ بالا دونوں تصورات کو یعنی ایک کامل سلطان اور ایک کامل قدوس ہستی کے تصورات کو کسی ایک شخصیت میں یک جا کرکےکہتے کہ خدا کی بادشاہت کا بادشاہ یعنی خود خدا لوگوں کے درمیان سکونت کریگا۔ لیکن جب سیدنا مسیح مبعوث ہوئے توآپ کے رسولوں اور مبلغوں نے دیکھا کہ یہ دونوں تصورات آپ کی پاک اور کامل ذات میں بوجہ احسن پائے جاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں یسعیاہ کے چالیسویں باب کا اطلاق آنخداوند پر کیا گیا ہے اور عبرانیوں کے خط کا مصنف زبور ۱۰۲ کو مسیح موعود کی جانب منسوب کرتاہے ۔علیٰ ہذا القیاس سیدنا مسیح کے رسولوں نے آپ کی زندگی میں خدا کودیکھا (یوحنا ۱۴: ۸تا ۱۰) اور ان کو انبیائے سابقین کی کتب مقدسہ کے وہ مقامات یاد آگئے جن میں لکھا تھاکہ خدا خود اپنی قوم کے درمیان سکونت کریگا(حزقی ایل ۳۷: ۲۶تا ۲۸)۔

لیکن جب انبیائے سابقین نے یہ نبوتیں کی تھیں توان کے الفاظ کا ہرگز یہ مقصد نہ تھاکہ ان کے کام کرنے کے صدیوں بعدان کے الفاظ کا اطلاق کسی خاص مسیح موعود پر ہوگا۔ ان کتب مقدسہ کے مسیحی ناظرین ان انبیاء کے کلام کی صداقت کو سیدنا مسیح کی زبانِ حقیقت ترجمان کی تعلیم، معجزاتِ بینات، واقعات زندگی، ظفریاب قیامت اور صعود آسمانی میں پاتے تھے۔ پس وہ طبعاً ان کتابوں کے مختلف مقامات کوجو منجئی جہان کے سوانح حیات کی روشنی میں معنی خیز ہوجاتے تھے آنخداوند کی جانب منسوب کرتے تھے۔ یہ مسیحی ناظرین انبیائے سابقین کے کلام کو آنخداوند کی ذاتِ بابرکات پر چسپاں کرکے اپنے ہم عصر یہود پر ثابت کرتے تھے کہ سیدنا مسیح سرورانبیاء ہے جس کی ذات میں استثنا (۱۸: ۱۵) کے الفاظ بدرجہ احسن پورے ہوتے ہیں (اعمال ۳: ۱۴تا آخر ۔ ۷باب وغیرہ) وہ نئے عہد کے درمیانی ہیں اور آسمان کی بادشاہت کے حقیقی فرماں روا ہیں ۔(متی ۲۵: ۳۱تا ۳۴۔ لوقا ۱۹: ۳۸۔ مکاشفہ ۱۷: ۱۴۔ ۱۹: ۱۶ وغیرہ)۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ انبیائے اکبر میں سے حضرت یسعیاہ نبی کی کتاب میں " خادم یہوواہ" کا عالی مقام تصور موجود ہے(ابواب ۴۰تاآخر) مثلاًلکھاہے کہ خداوند فرماتاہے ۔

" میرا خادم بہت سی قوموں کو پاک کریگا۔ وہ آدمیوں میں حقیر مردِ غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ اس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی توبھی اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اورہمارے غموں کو برداشت کیا پرہم نے اسے خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا سمجھا۔حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اورہماری بد کرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لئے اس پر سیاست ہوئی تاکہ اس کے مارکھانے سے ہم شفا پائیں۔

ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خدا نے ہم سب کی بد کرداری اس پر لادی۔ وہ ستایا گیا تو بھی اس نے برداشت کی اور منہ نہ کھولا۔ جس طرح برہ جسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں اور جس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے بے زبان ہے اسی طرح وہ خاموش رہا۔ وہ ظلم کرکے اور فتوےٰ لگا کر اسے لے گئے پر اس کے زمانہ کے لوگوں میں سے کس نے خیال کیا کہ وہ زندہ وں کی زمین سے کاٹ ڈالا یا گیا؟ میرے لوگوں کی خطاؤں کے سبب سے اس پر مار پڑی حالانکہ اس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا اور اس کے منہ میں ہر گز چھل نہ تھا"(۵۳: ۳تا ۹)۔

یسعیاہ نبی کی کتاب کے آخری ۲۶ باب کے مقامات اور بالخصوص مذکورہ بالا مقام کا ایک ایک فقرہ منجئی عالمین کی زندگی اور صلیبی موت کی روشنی مس معنی خیز ہوجاتاہے ۔کیا یہ جائے تعجب ہے کہ خود سیدنا مسیح نے اورآپ کے رسولوں اور مبلغوں نے ان ابواب کے مقامات کا اطلاق آپ کی مبارک ذات پر کیا؟(لوقا ۴: ۱۸-۲۴: ۲۵- ۲۲: ۲۲- اعمال ۲: ۲۳-۸: ۳۲تا ۳۸وغیرہ)۔

اس مسئلہ پر ایک اورپہلو سے نگا ہ کیجئے۔ انبیاء اللہ کی کتب میں کاہنوں کے متعلق ایسے مقامات وارد ہوئے ہیں ۔جن کو سیدنا مسیح کے رسولوں نے اپنی منجئی کی زندگی اورموت کی روشنی میں پڑھ کر آپ کی ذاتِ پاک پر چسپاں کئے کیونکہ وہ آپ کے سوانح حیات کی روشنی میں پُرمعنی ہوجاتے ہیں(زکریا ۴: ۸- ۶: ۱۲- زبور ۱۱۰ وغیرہ)یہودی مسیحی مبلغین نے ان مقامات کے ذریعہ اپنے ہم عصر اہل یہود کو سمجھایا کہ اعلیٰ ترین کہانت کا بہترین مفہوم سیدنا مسیح اور سیدنا مسیح کی کہانت میں ہی کامل طور پر ظہور پذیر ہوا ۔ (عبرانیوں ۴: ۱۴- ۱۰: ۲۵) علیٰ ہذا القیاس زبور کی کتاب میں جابجا ایک قدوس ہستی کا ذکر آتاہے(زبور ۱۶: ۴۰وغیرہ)۔ مسیحی مبلغین نے حضرت روح اللہ کے سوانح حیات کی روشنی میں ان مقامات کا جب مطالعہ کیا تو ان پر ان مقامات کا صحیح مفہوم روشن ہو گیا۔

پس انبیائے سابقین کے وہ الفاظ جن کا ذکر انجیل جلیل میں آتاہے دراصل صدیوں بعد کے کسی آنے والے شخص کے لئے خاص طور پر پیشین گوئیوں کے طور پر نہیں لکھے گئے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا تعلق ان انبیاء کے زمانہ یا اس زمانہ کے نزدیک کے مستقبل کے کسی تواریخی واقعہ یا شخص کے ساتھ تھا۔ مثلاً یسعیاہ نبی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"خداوند نے آخز بادشاہ سے فرمایا: خداوند اپنے خدا سے کوئی نشان طلب کرلیکن آخز نے کہا میں طلب نہیں کرونگا اور خداوند کو نہیں آزماؤنگا تب اس نے کہا اے داؤد کے خاندان اب سنو۔ کیا تمہارا انسان کو بیزار کرنا کوئی ہلکی بات ہے کہ میرے خدا کو بھی بیزار کروگے؟ لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشیگا۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام اعمانوئیل رکھیگی۔ پر اس سے پیشتر کہ یہ لڑکا نیکی اور بدی کے ردو کوقبول کے

قابل ہو یہ ملک جس کےدونوں بادشاہوں سے تجھ کو نفرت ہے ویران ہوجائیگا"(یسعیاہ ۷: ۱۰ تا ۱۶)۔ظاہر ہے کہ اس نبوت کا تعلق نزدیک کے مستقبل کے ساتھ ہے ۔ لیکن انجیل نویس کی نظروں میں آیت ۱۴ کے الفاظ حضرت کلمۃ اللہ کی پیدائش کی روشنی میں نہایت معنی خیز ہوگئے اوراس کو ایسا دکھائی دیا کہ گویا یہ آنخداوند کی پیدائش کا ہو بہو نقشہ ہے(متی ۱: ۲۲تا ۲۳)۔اسی طرح جب مختلف زمانہ کے انبیاء یہودی قوم اور افراد کے اخلاقی احیاء کی ضرورت جتلاتے ہیں یا بہترین بادشاہ کا تصور پیش کرتے ہیں یا خدا کے اس خادم کاذکر کرتے ہیں جس پر قوم کے گناہوں کی خاطر سیاست ہوئی تاکہ قوم کو خلاصی حاصل ہو تو اگرچہ وہ اپنے ہی دور کے خاص حالات اور تاریخی واقعات کومد نظر رکھ کر خدا کا پیغام اپنی قوم اور نسل کو پہنچاتے ہیں تاہم کتبِ مقدسہ کے مسیحی ناظرین کے دلوں میں وہ پیغام ایسے خیالات قدرتاً پیدا کردیتے ہیں جن کی تکمیل انجیل جلیل کے اوراق میں نظر آتی ہے ۔ کیونکہ تمام انبیاء اللہ کی نبوت کا منتہیٰ خدا کا وہ مقصد ہے جو سیدنا مسیح میں کامل اور اکمل طور پر پورا ہوا۔

حق تو یہ ہے کہ جب آنخداوند آئے اور روح القدس نے آپ کے رسولوں کے ذہن کھولے تو ان پر ظاہر ہو گیا کہ حضرت کلمۃ اللہ کی زندگی ،موت اور قیامت کے معنی خیز واقعات اور ان کے پنہانی مطالب انبیاء ئے سابقین کے تصورات سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کرتھے۔ یہ انبیاء سیدنا مسیح جیسے مسیح کی صدیوں پہلے توقع ہی نہ رکھتے تھے کیونکہ ان کے خواب وخیال میں بھی اس قسم کی حقیقی ہستی نہیں آسکتی تھی جس میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو مختلف انبیاء مختلف زمانوں میں اپنی قوم میں دیکھنا چاہتے تھے ۔ انبیائے یہود کی پیش خبریاں منتشر تھیں اوران کا تعلق مختلف زمانوں کی مختلف ہستیوں کے ساتھ تھا۔ اگرایک نبی کسی معیاری (Ideal) بادشاہ کی نبوت کرتا ہے تو دوسرا کسی معیاری کاہن کی خبر دیتاہے۔ تیسرا ایک معیاری" خادم یہوواہ" کی خبر دیتاہے جو اپنی جان دوسروں کی خاطر فدیہ کے طور پر نثار کردیتاہے۔ چوتھا ایک قدوس ہستی کی نبوت کرتاہے جس کی زندگی عالم وعالمیان کے لئے ایک معیار ہوگی وغیرہ وغیرہ ۔ یہ مختلف قسم کی پیشین گوئیاں کسی ایک ذات اور شخص سے منسوب نہیں تھیں۔ یہ بات کسی شخص کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی تھی اور نہ آسکتی تھی کہ مختلف زمانوں اور مختلف قسموں کی یہ پیشین گوئیاں کسی ایک ذات میں مجمع ہوسکتی ہیں۔لیکن جب رسولوں نے آنخداوند کی زندگی ،موت اور قیامت کی روشنی میں ان پر نظر کی تو ان کے ہاتھ ایک ایسی کلید آگئی جو انبیاء اللہ کی تمام پیش خبریوں کا واحد حل تھی ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ، ناتن نبی (۲سیموئیل ۷باب) حضرت عاموس، حضرت ہوسیع، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ ، حضرت میکاہ ،ملاکی نبی ، حضرت دانی ایل ،زبور ۲، ۱۶، ۲۲، ۴۰، ۶۹، ۱۰۲، ۱۱۰ کے لکھنے والوں کی پیش خبریاں اور دیگر ملہم انبیاء کی معنی خیز پیشین گوئیاں ہر پہلو سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن

عیسیٰ ناصری کی ذاتِ قدسی صفات پروہ سب کی سب بدرجہ احسن کامل واکمل طور پر صادق آتی ہیں۔ حضرت کلمۃ اللہ بادشاہ ہے لیکن سچائی کی سلطنت کا بادشاہ ہے ۔ (یوحنا ۱۸ : ۳۷) وہ تاجدار ہے لیکن اس کا تاج کانٹوں کا ہے(متی ۲۷: ۲۹تا ۳۸۔ لوقا ۲۳: ۴۲) وہ مسیح ہے لیکن مسیح مصلوب بھی ہے (متی ۱۶: ۲۱تا ۲۶۔ مرقس ۱۰: ۳۲تا ۳۳وغیرہ) وہ " خادم یہوواہ" ہے جو ہماری خاطر دکھ اٹھاتا ہے اوراپنی جان بہتروں کے بدلے میں فدیہ دیتاہے (متی ۲۰: ۲۸) وہ خدا ہے جو ہمارے درمیان سکونت کرتاہے(یوحنا ۱: ۱۴- ۱۴: ۹- ۱۲: ۴۵وغیرہ) وہ کاہن ہے جو ملکِ صدق کے طریقہ کا سردار کاہن ہے (عبرانیوں ۷تا ۱۰باب) غرضیکہ انجیلِ جلیل میں ایک مسیح کا نقشہ موجود ہے جس میں وہ تمام صفات ایک جگہ جمع ہیں جو بنی اسرائیل کے مختلف انبیا مختلف زمانوں اور حالتوں میں اپنے اپنے معیاری اشخاص میں دیکھنا چاہتے تھے (لوقا ۱۰: ۲۴۔ عبرانیوں ۱۱: ۱۳۔ ۱پطرس ۱: ۱۰تا ۱۲وغیرہ)۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا مصرعہ

ع حسنت جمیع خصالہ

سیدنا مسیح اور صرف سیدنا مسیح کی ذاتِ پاک پر چسپاں ہوسکتاہے۔

پس حضرت کلمۃ اللہ کے رسول ، مبلغ اورانجیل نویس اس واضح حقیقت سے آنخداوند کی مسیحائی کی صداقت ثابت کرتے ہیں اوراپنے یہودی ہم عصروں کے علے الاعلان کہتے ہیں " جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا "(متی ۱: ۲۲وغیرہ)۔" سیموئیل نبی سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب نے ان دنوں کی خبردی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اوراس عہد کے شریک ہوجو خدا نے تمہارے باپ دادا سے باندھا جب ابراہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائینگے۔ خدا نے اپنے خادم عیسیٰ کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے"(اعمال ۳: ۲۴تا ۲۶) جو نبوت کا اصل مقصد اور حقیقی مفہوم ہے۔

نبوت کا مفہوم اور قرآن

گو سورگیہ مرزا جی کہہ گئے ہیں (اور مسلم علما بالعموم ان سے متفق ہیں) کہ " نبوت " اور پیشین گوئی" مترادف الفاظ ہیں اور کہ" اسلامی اصطلاح" میں صرف وہی شخص " نبی "کہلانے کا مستحق ہے جس پر "کھلے طورپر" اور" بکثرت" امور غیبیہ ظاہر کئے جائیں " لیکن جیسا ہم دیکھ چکے ہیں کہ کتابِ مقدس کا مطالعہ مرزا جی کی اس تعریف کو باطل قرار دیتاہے اورآپ کے اس دعوےٰ کی تکذیب کرتاہے کہ نبوت کے اس مفہوم پر" تمام نبیوں" کا اتفاق ہے" ہم دکھلا چکے ہیں کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ حق تو یہ ہے کہ " تمام نبیوں" کو چھوڑ " کوئی ایک شخص بھی محض پیش گوئیاں

کرنے کی خاطر اور صرف پیشین گوئی کی بنا پر کبھی اس جلیل القدر منصب پر سرفراز نہیں کیا گیا۔

قرآن دانی کے دو درجے ہیں ۔ ایک درجہ تلاوت کا ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے "یتلون کتاب اللہ "۔لیکن اس سے اوپر کا درجہ قرآن کو غور اور تدبر کے ساتھ پڑھنے کا ہے (پ ۲۶ - ع ۱۷)۔ اگرہمارے مسلمان بھائی مندرجہ بالا نظر یہ قائم کرنے سے پہلے قرآن شریف کا غوروتدبر سے مطالعہ کرلیتے تواپنے غلط رویہ کو اختیار نہ کرتے۔ قرآن کے مطابق صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے (سورہ حجرات ع ۲- آیت ۱۶ وغیرہ) تمام قرآن کوچھان مارواس صفت میں تم کو اللہ کا کوئی شریک نہیں ملیگا چہ جائیکہ وہ محض انسان ضعیف البیان ہو۔

قرآن مجید صاف کہتاہے کہ آنحضرت بھی انہی معنوں میں " نبی" ہیں جن معنوں میں انبیائے سابقین نبی تھے۔ چنانچہ مشتے نمونہ ازخروار ہے ذیل کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔ عربی کی عبارت کو بخوف طوالت چھوڑدیا گیاہے۔

" اے محمد ہم نے تیری طرف ایسی وحی بھیجی ہے جیسی ہم نے نوح اوراس کے بعد اور نبیوں اورابراہیم اور اسماعیل اوراسحاق اور یعقوب اوراس کی اولاد اورعیسیٰ اورایوب اور یونس اورہارون اورسلیمان کی طرف بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور کی کتاب دی۔ ان کے علاوہ کئی رسول ہیں جن کا احوال ہم نے تجھے پہلے سنایا اور کئی رسول ہیں جنکا احوال ہم نے تجھے نہیں سنایا خدا نے موسیٰ سے باتیں کی تھیں۔ بہت دیگر رسول آچکے ہیں جو بشارت دینے والے اور ڈراونے والے تھے تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام لگانے کاموقع نہ رہے (سورہ نساء ع ۲۳- آیت ۱۶۱)۔

" اے محمد - تجھ سے بھی وہی کہا جاتاہے جوپہلے رسولوں سے کہا گیا تھا۔ بے شک تیرے رب کے مغفرت ہے اور دردناک عذاب بھی ہے " (سورہ حم سجد ع ۵- آیت ۴۲)۔

قرآن آنحضرت کی بعثت کے مقصد کو نہایت وضاحت کے ساتھ بتلاکرکہتاہے :

" اے نبی - ہم نے تجھے گواہ اور بشارت دینے والااورڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اورخدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا ہے اور روشن چراغ ہے"(سورہ احزاب ع ۶ - آیت ۴۴)۔

پس قرآن شریف بھی کتاب مقدس کے ہمزبان ہو کرکہتاہے کہ نبی کا کام پیشین گوئیاں کرنا نہیں ہے بلکہ عامتہ الناس کو راہِ ہدایت کی طرف دعوت دیتاہے۔ لہذا یہ " اسلامی اصطلاح" باطل ہے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن باربار آنحضرت کی بابت کہتاہے کہ آپ امور غیبیہ سے ناواقف ہیں تو یہ بات اہل بصیرت پر روشن ہوجاتی ہے کہ یہ اصطلاح "اسلامی " ہو تو ہو لیکن " قرآنی" اور " محمدی" اصطلاح ہر گز نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

" تو(اے محمد) کہہ کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب دان ہوں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں"(سورہ انعام ع ۵ آیت ۵۰)۔ پھر بتاکید وتکرار فرمایا۔

" میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ میں غیب دان ہوں اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور میں ان کے حق میں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں نہیں کہتا کہ خدا ان کو کچھ بھلائی دیگا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے خدا خوب جانتا ہے ۔ لیکن اگر میں ایسا کہوں توبیشک ظالموں میں ہوں گا "(ہود ع ۳۔ نیز دیکھو اعراف ع ۲۳ وغیرہ)۔

" تو(اے محمد) کہہ کہ میں کچھ نیا رسول نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ میں تو صرف کھول کرڈر سنانے والاہوں"(سورہ احقاف ع آیت ۸)۔

محمد عربی کی پیش خبریاں

مندرجہ بالااصاف صریح اور واضح آیاتِ قرآنی کی عین ضد میں مفسروں، راویوں کے متعبر یا غیر معتبر ہونے کا کچھ خیال نہیں کیا۔ جس کسی جو قصہ ان سے بیان کیا انہوں نے اس کو نہایت اشتیاق سے سنا۔ لیکن اس قصہ کی اصلیت اور راوی کے چال چلن کی نسبت ذرا بھی تفتیش نہیں کی اوراس قصہ کو اپنی کتاب میں لکھ لیا"(خطبات احمدیہ صفحہ ۳۲۰)۔

پس یہ تمام قصے مطلق قابلِ التفات نہیں ہیں اور ان کی وقعت صفر سے بھی کم ہے کیونکہ وہ صریح قرآنی آیات کے خلاف ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے بعض مسلمان مصنف جواپنی تحقیق پر نازاں ہیں ایسے بے سروپا قصص کو اپنی کتب میں بے سوچے سمجھے جگہ دے دیتے ہیں۔مثلاً سیرۃ النبی مصنفہ سید سلیمان مجلد سوم وغیرہ۔

محمد عربی کی نسبت کتابِ مقدس میں پیشین گوئیاں

چونکہ مسلمان مصنفین کے دماغوں میں یہ خبط سمایا ہوا ہے کہ "کسی پیغمبر کادعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے "(سیرۃ النبی مجلد سوم صفحہ ۵۳۴) لہذا ان کو انبیائے سابقین کی کتب کے اوراق پلٹنے پڑے تاکہ آنحضرت کی نبوت ثابت کرسکیں ۔ پس انہوں نے تورات وانجیل اور یہودی روایات میں تلاشِ بسیار کے بعد وہ مقام ڈھونڈ نکالےجہاں ان

کے زعم میں محمد عربی کے مبعوث ہونے کی بشارتیں موجود ہیں۔ ان مقامات کو بنظرِ تحقیق دیکھ کر مرحوم سید لکھتے ہیں:

"اگرچہ میں ان بزرگ عالموں کی کوشش اور محنت کی نہایت قدر کرتاہوں مگر ان سب کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتا کیونکہ جو کچھ ان عالموں نے اپنی ان تھک محنت سے نکالاہے وہ کیسا ہی مفید ہو، الانقص سے خالی نہیں۔

" سید مرحوم ان میں سے اکثر مقامات کو رد کرنے کے چھ سبب تبلاتے ہیں (صفحہ ۵۸۳) اور جن کو وہ مقبول کرتے ہیں ان کی نسبت بھی لکھتے ہیں۔

"توریت وانجیل میں آنے والے پیغمبروں کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طورپر بیان ہوئی ہیں کہ پہیلی اور معمے کی مانند ہوگئی ہیں اور جب تک ان کی تشریح نہ کی جائے اوران کا حل نہ بتلایا جائے ان کا مطالب ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آسکتا"(صفحہ ۵۸۵)۔

بعض بشارتیں جن کو سرسید قبول کرتے ہیں ایسی مضحکہ خیز ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر سید مرحوم جیسے محقق عبرانی زبان سے خود واقف ہوتے تو ان کو بے تامل رد کردیتے۔ ان کا جواب مرحوم پادری ٹامس ہاول صاحب نے رسالہ" بائبل میں محمد" میں دیا ہے۔ اس معاملہ میں سید مرحوم نے " جناب مولانا بالفضل اولیناجناب مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی" کی کورانہ تقلید کی ہے۔ کیونکہ مرحوم کے خیال میں یہ مولوی صاحب " عبرانی زبان اور توریت مقدس کے بہت بڑے عالم" تھے(صفحہ ۶۰۵) حالانکہ یہ صاحب (جیسا ہم انشاء اللہ آگے چل کر دکھلادینگے)عبرانی سے محض کورے تھے۔ سرسید مرحوم کے بعد کے مسلمان مصنفین نے سرسید کی اندھا دھند پیروی کی ہے۔ اور قادیانی مناظر تو کاسہ لیسی کے لئے چاردانگ عالم میں مشہور ہیں۔

قرآن کے سورہ اعراف میں ہے" جولوگ اس رسول نبی امی کے تابع ہوتے ہیں جس کو وہ اپنے یہاں توریت اورانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں "(ع ۱۹ ۔آیت ۱۵۶) سورہ صف میں ہے" جب عیسیٰ ابن مریم نےکہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں میں اس توریت کا جو مجھ سےآگے ہے مصدق ہوں اورایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا۔ اس کا نام احمد ہوگا "(آیت ۶)ان دوآیات کی بناء پر اہل اسلام (جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں) شروع ہی سے تورات وانجیل کی عبث ورق گردانی کرتے رہے تاکہ کسی نہ کسی طرح ان مقامات کا پتہ لگائیں جہاں محمد عربی کی بشارت ہے۔ان میں سے متعدد مقامات کو سرسید جیسے محقق نے مختلف وجوہ کے باعث رد کردیاہے۔ ان مسلمان علماء کو قرآن میں یہ توملا کہ کسی آنے والے احمد کا ذکر توریت وانجیل میں ہے۔ لیکن قرآن سےان کو یہ پتہ نہ چلاکہ " نبی امی" اور"احمد" کا ذکر ان کتابوں کے کن مقاموں میں پایا جاتاہے۔

انجیل کی آیت

بلآخر مسلمان مناظرین کے ہاتھ دومقام آئے جن کی نسبت ان کو یقین ہے کہ وہ " ایسی صاف صاف بشارتیں ہیں جن میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا"۔چنانچہ پہلامقام انجیل یوحنا کے چودھویں باب کی ۲۵ ویں اور ۲۶ ویں آیات میں ہے جہاں یونانی لفظ "پیراکلی توس" آیاہے جس کے معنی ہیں "تسلی دینے والا"۔ یہ مسلم علماء یونانی زبان سے ناواقف تھے۔ انہوں نے سن لیا کہ ایک یونانی لفظ ہے" پیری کلوتوس" جس کے معنی " مشہور یا معروف" ہیں۔ لیکن بخیالی ایشا اس کا ترجمہ عربی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ " احمد " ہے (صفحہ ۶۳۹) اوران کے زعم میں بلاشبہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انجیل میں اصل لفظ" پیراکلی توس" نہیں تھا بلکہ" پیری کلوتوس" تھا۔ مسیحی مصنفین نے ہزار سمجھا یاکہ دونولفظوں میں اورانکے معنوں میں بعدالمشرقین ہے جن کا" نبی امی " اور" احمد" سے کسی قسم کا تعلق نہیں ۔ چہ جائیکہ وہ " محمد" کی بشارتھو لیکن ع دیوانہ راہوئے بس است۔ سرسید بجالکھہ گئے ہیں کہ " توریت وانجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طور سے بیان ہوئی ہیں کہ پہیلی اورمعمے کی مانند ہوگئی ہیں"۔ حق بات تو یہ ہے کہ ہمارے مسلم علماء پہلے تو میدان مناظرہ کی راہ خاک چھان کر فضا کو اپنے مفروضہ قضایا سے غبارآلود کردیتے ہیں اورپھر خودہی شکایت کرتے ہیں کہ ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا! لیکن اصل حقیقت یہی ہے کہ اس مقام میں کسی آنے والے نبی کی بشارت سرے سے موجودہی نہیں۔

قرآنی آیت کی قادیانی تاویل

مسلم مناظرین کی یہ پیش کردہ بشارت ایسی "پہیلی اورمعمہ" ہے کہ ایک طرف توبحوالہ ترمذی فتح الباری یہ دعویٰ کیا جاتاہے کہ حضرت رسول عربی اس آیت کے مصداق ہیں اور دوسری طرف آنجہانی مرزائے قادیانی اوران کے حواری یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ "اسمہ احمد" کی پیشین گوئی مرزاغلام احمد اور صرف مرزاغلام احمد کے حق میں ہے اور کہ وہ کسی دوسرے (یعنی بانی اسلام) کے حق میں ہر گز نہیں چنانچہ سورگیہ مرزاجی حقیقت النبوۃ (صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶) میں کہتےہیں خدانے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھاہے آپ کا یہ شعر بھی مشہورہے :

منم مسیح زماں ومنم کلیمِ خدا　　　منجم محمد واحمد کے مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب صفحہ ۳)

اور سنئے:

"اشتہار " ایک غلطی کا ازالہ میں ہے" محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھمہ کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ اب اس الہام میں سے دوباتیں ثابت

ہوتی ہیں (۱-) یہ کہ آپ محمد ہیں اورآپ کا محمد ہونا بلحاظ رسول اللہ ہونے کے ہے نہ کسی اور لحاظ سے (۲-) آپ کے صحابہ آپ کی حیثیت سے محمد رسول اللہ کے ہی صحابہ ہیں جو اشد علی الکفار اور رحماء بینھمہ کی صفت کے مصداق ہیں"(الفضل قادیان جلد ۲ جلد نمبر ۱۰-۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)۔

مرزا جی مرحوم کے خلیفہ میاں محمود احمد صاف صاف الفاظ میں کہتے ہیں:

" اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ وہ کون رسول ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعدآیا اور جس کا نام احمد ہے۔میرا اپنا دعویٰ ہے اورمیں نے یہ دعویٰ یونہی نہیں کردیا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے بھی یہ ہی فرمایا ہے کہ مرزا صاحب احمد ہیں -چنانچہ ان کے درسوں کے نوٹوں میں بھی چھپا ہوا ہےاور میرا ایمان ہے کہ اس آیت (اسمہ احمد) کے مصداق حضرت مسیح موعود ہی ہیں"(انوارِ خلافت صفحہ ۲۱)۔

" جب اس آیت (اسمہ احمد) میں ایک رسول کا جس کا اہم ذات احمد ہے ذکر ہے دو کا نہیں اور اس شخص کا یقین ہم حضرت مسیح موعود پر کرتے ہیں کہ تو اس سے خود نتیجہ نکل آیا کہ کوئی دوسرا اس کا مصداق نہیں۔ اور جب ہم یہ ثابت کردیں کہ حضرت مسیح موعود اس پیشین گوئی کے مصداق ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دوسرا کوئی شخص (یعنی محمد عربی) اس کا مصداق نہیں ہے"۔(اخبار الفضل قادیان ۲، ۵ دسمبر ۱۹۱۶ء۔

جس طرح مسیحی علماء مسلم مناظرین کو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کا نام تو " محمد" تھالیکن یہاں بقول شما کسی" احمد" کی پیشین گوئی ہے اسی طرح جب کسی بھلے مانس مسلمان نے قادیانیوں سے یہ سوال کیا کہ مرزا جی کا نام تو" غلام احمد" تھالیکن قرآن میں " احمد" ہے تو اس سوال کا یہ الہامی جواب ملتا ہے:

" آپ کا یہ سوال ہے کہ اسمہ احمد میں بشارت تواحمد کی ہے اور مرزا صاحب غلام احمد ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ مطلق غلام احمد نہ عربی ہے کیونکہ اس حالت میں غلامُ احمد ہوتا اور نہ یہ نام فارسی بن سکتا ہے کیونکہ غلامِ احمد ہوتا اور یہ یہ نام اردو ہوسکتاہے کہ کیونکہ اس صورت میں احمد کاغلام ہونا چاہیے تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت صاحب کے خاندان میں غلام کا لفظ اصل نام کے ساتھ اضافہ کے طور پر اس ملک کےرواج کے مطابق چلاآتا تھا اس واسطے آپ کے نام کے ساتھ بھی لگادیا گیا[1] ۔ احادیث میں آیا ہے کہ مسیح جوان ہوگا اور غلام کے معنی جوان کے ہیں جس سے یہ بتایا گیا کہ اس کے کام جوانوں کے سے ہیں" (الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۱۰۷ ۔مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۱۶ء)۔

---

[1] اس " ملک کےرواج " کی بھی کہی ۔ اس تاویل کی بطالت بہر حال مرزاجی کے شجرہ نسب سے ثابت ہے (دیکھو کتاب البریت صفحہ ۱۳۴ حاشیہ) تحفہ شاہزادہ یلز صفحہ ۲۹۔ وافع البلا صفحہ ۱۳ ۔ ریویو آف ریلیجنس بابت جون ۱۹۰۶ء۔ صفحہ حاشیہ وغیرہ برکت اللہ۔

ان لغویات سے اربابِ دانش کی نظروں میں سرسید احمد کا مقولہ بالکل درست ثابت ہوتا ہے کہ " توریت وانجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں مہمل اور مجمل ہیں اور پہیلی اور معمے کی مانند ہیں"۔ اس کا اصلی اور حقیقی سبب صرف یہ ہے کہ وہ سرے سے اس قسم کی بشارتیں ہیں ہی نہیں۔

تورات کی آیت

دوسری بشارت جس کو سرسید مرحوم " صاف اور مستحکم" کہتے ہیں کہ استثنا ۱۸: ۱۵ سے پیش کی جاتی ہے۔ اس پر ہم اگلے ابواب میں مفصل بحث کرکے انشاء اللہ ثابت کردینگے کہ اس میں بھی کسی ایک خاص آنے والے شخص کی پیشین گوئی موجود نہیں ہے۔

دنیا بھر کے مسلم علماء کی گذشتہ چودہ صدیوں کی کاوش کے باوجود ان کو تمام کتاب مقدس میں سے کوئی ایسا " صاف اور مستحکم" مقام نہ مل سکا جو"پہیلی اورمعمے کی مانند مہمل" نہ ہو اور جس میں صدیوں بعد کے کسی آنے والے شخص کی واضح طور پر پیشین گوئی گئی ہو۔ کیا یہ امر ان کے اس مفروضہ کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ " کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے"(سیرۃ النبی مجلد سوم صفحہ ۵۳۴) اور کہ " خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشین گوئیاں مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح میں نبی کہلاتا ہے"(حجتہ اللہ صفحہ ۲) ہم دکھلا چکے ہیں کہ خود قرآنی آیات اس مفہوم کو باطل اور مردود قرار دیتی ہیں۔

روشن خیال مسلمان اور مفہوم نبوت

موجودہ زمانہ کے روشن خیال تعلیم یافتہ مسلمان اس قسم کے غیر قرآنی خیالات کے معتقد نہیں۔ چنانچہ چودہری غلام احمد صاحب پرویز اس طبقہ کے خیالات کی یوں ترجمانی کرتے ہیں:

" آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور مصلح قوم ہوتا ہے جو اپنی قوم کی نکبت اور زبون حال سے متاثر ہو کر ان کو افلاح وبہبود کی طرف بلاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط وایثار کی روح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنادیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر قسم کے ہوتی ہے جن کے ہر حکم اتباع لازمی ہوتا ہے کیونکہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کا حسن تدبیر، عقل، حکمت، ذہن انسان کے ارتقاع کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور بدترین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے جو اپنے ماحول کی پیداور ہوتے ہیں ان کا فلسفہ ء اصلاح وبہبود ان کے اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیائے کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور ان کا

سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیتِ باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ ان کا انتخاب مملکت ایزوی سے ہوتا ہے اور ان کا سرچشمہ علوم وہدایت باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ دنیاوی سیاست وتفکر صفت ہے جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے اور مشق ومہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب اور مشق کو دخل نہیں۔ قوم وامت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہے۔ ان کو خدا کا پیغام ملتا ہے جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحد ادراک انسانی سے بالا تر ہے لیکن اس کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہوتیں "(ماخوذ از مقدمہ بہاول پور صفحہ ۷۷ تا ۷۹)۔

ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ یہ خیالات گو" اسلامی اصطلاح" سے کوسوں دور ہیں لیکن وہ کتابِ مقدس اور قرآن شریف کے تصورِ نبوت کے زیادہ نزدیک ہیں۔ نبوت کا یہ مفہوم کٹھ ملانوں کے قیاس اور ظن پر مبنی نہیں ہے بلکہ حقیقت اور امر واقعہ اور انبیائے کرام کے حالات وپیغامات اور منصبی فرائض کی محکم بنیادوں پر قائم ہے۔

نتیجہ

اب جو یہ ثابت ہوگیا کہ انبیاء اللہ کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں اور کہ صدیوں بعد کے آنے والے اشخاص اور واقعات کی نسبت پیشین گوئیاں کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل نہ تھا۔ ہم کو امید ہے کہ ہر صاحبِ عقل پر یہ روشن ہوگیا ہوگا کہ کوئی ایسی دلیل قابلِ قبول نہیں ہوسکتی جس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہو کہ فلاں نبی نے بذریعہ الہام ووحی ایک ایسے شخص یا واقعہ کی خبر دی ہے جو اس کے صدیوں بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس قسم کی دلیل باطل ہوگی کیونکہ اولاً وہ مقصدِ نبوت کے سراسر خلاف ہے اور ثانیاً و نبوت کے الفاظ کی ایسی من گھڑت اور ناقابل قبول تاویل پر مبنی ہوگی جو صحیح اصول تفسیر کے منافی اور قائل کے اصل منشاء اور مطلب کے خلاف ہے۔

انشاء اللہ اگلے باب میں ہم ثابت کردینگے کہ جو مسلمان برادران استثناء ۱۸: ۱۵ کو حضرت محمد عربی کی نبوت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں وہ نہ صرف نبوت کے اصل مفہوم اور مقصد کے خلاف دلیل پیش کرتے ہیں بلکہ اس آیہ شریفہ پر جبر کرکے اس سے وہ کہلوانا چاہتے ہیں جو حضرت موسیٰ کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ ان کی غیر فطرتی تاویل میں سیاق وسباق عبارت کا پاسِ لحاظ نہیں اور ان کی تفسیر کتاب مقدس کے الفاظ ومحاورات کے

صریح خلاف ہونے کے علاوہ آیت کے اصل منشاء کے کلیتہً منافی ہے اور نبوت کے صحیح مفہوم کے عین ضد ہے۔

باب دوم

"بشارتِ موسوی" کی حقیقت

مسلمانوں کا دعویٰ

مولوی غلام نبی صاحب تورات شریف کی کتاب استثناء کے ۱۸ ویں باب کی ۱۵ ویں اور ۱۸ ویں آیت کو نقل کرکے کہتے ہیں۔" اب سوائے اس کے جو براہِ تعصب اس صاف اور روشن بشارت سے آنکھ بند کرلے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بشارت حضرت محمد کے حق میں نہیں "(صفحہ ۱۴) سرسید مرحوم بھی کہتے ہیں ۔"ان آیتوں میں محمد رسول ﷺ کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا "(صفحہ ۵۹۹) سید سلیمان ندوی بھی فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں " وہ موعودہ نبی آنحضرت ﷺ ہی تھے"(سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۵۶۲)۔
جماعت احمدیہ کے مفتی محمد صادق صاحب بھی کہتے ہیں " یہ پیشین گوئی ہر پہلو سے محمد ﷺ پر پوری ہوئی اور آپ کے سوائے کسی دوسرے شخص کے حق میں اس کا پورا ہونا ثابت نہیں ہوسکتا"۔ (بائبل کی بشارات صفحہ ۷)۔

تنقیح طلب امور

ہم ناظرین کی خاطر کتاب استثناء کے ۱۸ ویں باب کی متعلقہ آیات کا اقتباس کردیتے ہیں تاکہ ناظرین عبارت کے سیاق وسباق کو دیکھ کر اوراس کا مفہوم بخوبی سمجھ کر معلوم کرسکیں کہ:

(۱۔) آیا ان آیات میں کوئی بشارت موجود ہے؟

(۲۔) اگر کوئی بشارت موجود ہے توکیا وہ کسی خاص ایک نبی کے لئے ہے جو ہزاروں برس بعد آنے والا تھا؟

اور(۳۔) اگراس بشارت کا تعلق کسی ایک نبی کے ساتھ ہے توکیا وہ " موعود نبی" حضرت محمد ہے؟

فصل اوّل

سیاقِ عبارت

آیات کی نقل

اس زیر بحث مقام میں جو حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے اپنی وصیت کے دوران (ابواب ۵تا ۳۱) میں فرماتے ہیں (۱۸ باب آیات ۹تا ۱۹):

" جب تو (اے قوم بنی اسرائیل) اس ملک (کنعان) میں جو خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے داخل ہو تو وہاں کی قوموں کے سے مکروہ کام کرنے نہ سیکھنا "۔ یعنی جب خداوند تیرا خدا تیرے سامنے سے ان قوموں کو اس جگہ جہاں تو ان کا وارث ہونے کے لئے جارہا ہے کاٹ ڈالے اور توان کا وارث ہوکر ان کے ملک میں بس جائے تو تُو خبردار رہنا تاایسا نہ ہو کہ جب وہ تیرے آگے سے نابود ہوجائیں تو تُو اس پھندے میں پھنس جائے کہ ان کی پیروی کرے اور ان کےدیوتاؤں کے بارےمیں یہ دریافت کرکے کہ یہ قومیں کس طرح اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہیں میں بھی ویسا ہی کرونگا"(استثنا ۱۲: ۲۹، ۳۰آیت)۔

"تجھ میں (اے بنی اسرائیل) ہر گز کوئی ایسا نہ ہوجو اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں جلوائے" ۔"یعنی " تو اپنی اولاد میں سے کسی کو مولک (دیوتا) کی خاطر آگ میں سے گذارنے کے لئے نہ دینا اور (یوں) اپنے خدا کے نام کو ناپاک نہ ٹھہرانا "(احبار ۱۸: ۲۱۔ نیز دیکھو ۲سلاطین ۱۶: ۳۔ ۲۱: ۶۔ ۲۳: ۱۰۔یرمیاہ ۳۲: ۳۵۔حزقی ایل ۲۰: ۲۶تا ۳۱۔۲۳: ۳۷وغیرہ)۔

" تجھ میں ہر گز کوئی شخص ایسا نہ ہوجو فالگیر یا شگون نکالنے والا یا افسون گر یاجادو گر یامنتر پڑھنے والا یا جنات کاآشنا یارمال یا ارواح کا تسخیر کرنے والا ہو(دیکھو ۲سلاطین ۱۷: ۱۷۔ احبار ۱۹: ۲۶تا ۳۱۔ خروج ۲۲: ۱۸۔ ۱سیموئیل ۲۸: ۷)کیونکہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں خداوند کے

نزدیک مکروہ ہیں اور انہی مکروہات کے سبب سے خداوند تیرا خدا ان کو تیرے سامنے سے نکالتا ہے ۔تو خداوند اپنے خدا کے حضور کامل ہو۔ وہ قومیں جن کا تووارث ہوگا شگون نکالنے والوں اور فالگیروں کی سنتی ہیں پر تجھ کو (اے بنی اسرائیل) خداوند تیرا خدا نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند نبی برپا کرتا رہیگا تم اس کی سننا۔

" (اے بنی اسرائیل) میں (خداوند) یہ بات تیری اس درخواست کے مطابق کرونگا جو تونے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی (دیکھو ۹: ۱۰) کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو کہ مر نہ جاؤں (دیکھو خروج ۲۰: ۱۸ تا ۱۹) اور خداوند نے مجھ (موسیٰ) سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ پس میں (خداوند) ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے (اے موسیٰ) تیری مانند نبی برپا کرتارہونگا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالا کرونگا (دیکھو یرمیاہ ۱: ۹) اور جو کچھ میں اس (نبی) کو حکم دونگا وہی وہ ان سے کہیگا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کرکہیگا نہ سنے تو میں اس سے حساب لوں گا۔(دیکھو یرمیاہ ۲۹: ۱۹)۔

"لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں (دیوتاؤں کے نام سے کچھ کہے تو وہ قتل کیا جائے " کیونکہ" اس نے تم کو خداوند تمہارے خدا سے بغاوت کرنے کی ترغیب دی تاکہ تجھ کو اس راہ سے جس پر خداوند تیرے خدا نے تجھ کو چلنے کا حکم دیا ہے بہکائے ۔ یوں تو اپنے بیچ میں سے ایسی بدی کو دور کردینا"(استثنا ۱۳: ۵)۔

ہم نے مندرجہ بالا آیات (استثنا ۱۸: ۹ تا ۲۰) میں اس مقام پر بحث کی تمام عبارت کو نقل کرکے کتابِ مقدس کے دیگر مقامات کے حوالے اور اقتباسات لکھ دیئے ہیں تاکہ ان کےذریعہ ناظرین پر اس عبارت کی تمام آیات کا اصل مطلب سیاق وسباق کی روشنی میں ظاہر ہوجائے۔

آیات کی تفسیر

اس تمام عبارت میں آیات ۱۳ تا ۱۵ میں وہ بنیادی نکتہ پایا جاتاہے جواس مقام کے سمجھنے کی اصل کنجی ہے جس میں مشرک فالگیروں اور خدا کے نبیوں کا ذکر ہے۔

اہلِ یہود کی ہمسایہ اقوام مشرک اور بت پرست اقوام تھیں۔ انہی کے ساتھ بنی اسرائیل کا روزانہ سابقہ پڑتا تھا۔ جب کبھی یہ اقوام اپنے دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرنا چاہتی تھیں وہ نجومیوں ، غیب بینوں، فالگیروں وغیرہ کی طرف رجوع کیا کرتی تھیں مثلاً بابل کی قوم میں غیب دانی کا علم عروج پر تھا اور ایسا غالب تھا کہ ان کی قومی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہوگیا تھا۔ چنانچہ

شگونوں کی تعبیر فنونِ لطیفہ میں شمار کیاجاتا تھا- ہر قسم کے جادو اور سحر کارواج عام ہوگیا تھا اور غیب بین ہر جگہ نظر آتے تھے ۔ تمام مشرقی ممالک کے کونہ کونہ میں کلدی نسل کے جوتشی، رمال ، اور فالگیر مشہور تھے جن کا پیشہ شگونوں کی تاویل کرنا تھا-

ان مشرکانہ مذاہب کے عقائد باطلہ کے برعکس بنی اسرائیل کا معبود ایک واحد خدائے قدوس تھا جو اپنے پرستاروں سے پاکیزگی ، حق ، انصاف اوررحم وغیرہ کا مطالبہ کرتا تھا- مشرک اقوام کےدیوی دیوتاؤں میں نہ تو یہ صفات پائی جاتی تھیں اور نہ وہ اپنے پرستاروں سے اس قسم کے اوصافِ حمیدہ کا مطالبہ کرتے تھے-

مذکورہ بالاآیات میں بنی اسرائیل کو خدا کی مرضی معلوم کرنے کے لئے ایسے لوگوں کی جانب رجوع کرنے کی قطعی ممانعت کی گئی ہے جو غیر اللہ کے پرستار اورمشرکانہ مذاہب سے تعلق رکھ کرپیشہ ورفالگیر ، رمال ، شگونوں کی تعبیر کرنے والے ، جادوگر، منتر پڑھنے والے، جنات کے آشنا یا ارواح کے تسخیر کرنے والے تھے- اس مقام میں اس مشرکانہ طائفہ کی سب کی سب نواقسام کا ذکر کیا گیا ہے اور انفرادی اوراجتماعی طورپر ہر قسم کی قطعی ممانعت کردی گئی ہے- اس ممانعت میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا گیا تاکہ کسی قسم کے گریز کی گنجائش نہ رہے- خدا حضرت موسیٰ کی معرفت بنی اسرائیل کو حکم دیتا ہے کہ اے بنی اسرائیل تو اس قسم کے مکروہ کام نہ سیکھنا- تجھ میں کوئی شخص اپنے بیٹے یا بیٹی کو مشرک بت پرستوں کی طرح آگ میں قربان نہ کرے اور نہ تیری قوم فالگیروں اور شگون نکالنے والوں وغیرہ ہم کے پاس مستقبل کو معلوم کرنے کے لئے جانے ۔ اے بنی اسرائیل ایسے لوگوں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے تم اپنے خدا کی مرضی معلوم کرنے کے لئے میرے انبیاء کی طرف رجوع کیا کرنا ۔ جن کو میں تمہاری درخواست کے مطابق تمہارے لئے تمہارے ہی درمیان سے ہر زمانہ میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً برپا کرتا رہونگا جس طرح میں نے موسیٰ کو برپا کیا ہے- تمہاری عرض کے مطابق اب میں تم سے سیدھا براہِ راست مخاطب نہ ہوا کرونگا- بلکہ میں اپنا کلام اپنے انبیاء کے منہ میں ڈالوں گا اور اپنی مرضی اوراحکام کو ان کی معرفت تم تک پہنچایا کرونگا- تمہارا یہ فرض ہوگا کہ تم مشرک فالگیروں وغیرہ کی بجائے ان مامور من اللہ نبیوں کی سنو اور اگر کوئی ان احکام کی خلاف ورزی کریگا تو اس سے مواخذہ ہوگا- بنی اسرائیل کے انبیاء کا بھی یہ فرض ہوگا کہ وہ قوم کو صرف وہی بات پہنچائیں جس کا میں نے حکم دیا ہے- لیکن اگر کوئی شخص مامور من اللہ نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور قوم کوایسے احکام پہنچائے جو خداوند تمہارے خدا کی ذات وصفات کے منافی ہوں جس سے تم صراط مستقیم سے بہک کر اپنے خدائے وحدہ لاشریک کو ترک کردو تو یہ جان لو کہ وہ شخص جھوٹا نبی ہے- لہذا وہ واجب القتل ہے کیونکہ وہ میری برگزیدہ قوم کو مجھ سے بغاوت اختیار کرنے کی ترغیب دیتاہے-

ان آیات میں انبیاء اللہ کے اختیار، سند، منصب، عہدہ اور اقتدار کا ذکر ہے۔ اس مقام میں جو منصب نبی کو ملا ہے وہ قابلِ غور ہے۔ یہاں بنی اسرائیل میں نبی کو وہی درجہ حاصل ہے جو مشرکانہ اقوام میں فالگیروں، افسون گروں وغیرہ کو حاصل تھا۔ انسان کی فطرت میں طبعاً یہ خواہش موجود ہے کہ زمانہ مستقبل کے پس پردہ رازوں سے واقف ہو۔ بالخصوص مصیبت کے ایام میں یہ خواہش ایک نہایت زبردست تقاضے کی صورت اختیار کرلیتی ہے (مثلاً دیکھو ۱۔سیموئیل ۲۸ باب) اس طبعی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے مشرکانہ اقوام میں رمال، نجومی اور فالگیر وغیرہ کا طائفہ موجود تھا لیکن خدا نے بنی اسرائیل کو قطعی ممانعت کرکے یہ حکم دیا کہ اس مشرک اور بت پرست طائفہ سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں کیونکہ خدا اس طائفہ کی بجائے ان کی قوم میں نبیوں کا سلسلہ برپا کرتا رہیگا جس طرح اس نے حضرت موسیٰ کو برپا کیا تھا۔ نبی ہر زمانہ میں حسب ضرورت خدا کی مرضی ظاہر کیا کریگا۔ اور مصیبت کے زمانہ میں قوم کا راہنما ہوا کریگا۔ خدا خود بنی اسرائیل کے اس فطرتی اور طبعی تقاضے کو بہترین، موزوں ترین اور اعلیٰ ترین روحانی مسائل سے پورا کریگا (گنتی ۲۳: ۲۲، ۲۳) کیونکہ وہ اپنا کلام نبی کے منہ میں ڈالے گا۔

پس ان آیات سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ اس مقصد کے لئے قائم ہوا تاکہ بنی اسرائیل میں مشرکانہ رسوم وغیرہ کی قطعی طور پر روک تھام ہوجائے اور خدا کی یہ برگزیدہ قوم ہمیشہ کے لئے بُت پرست اقوام سے ہر امر میں الگ تھلگ رہے۔

کیا ان آیات میں بشارت موجود ہے؟

ہم نے شرح وبسط کے ساتھ کتابِ مقدس کی آیات کی روشنی میں زیر بحث مقام کی تفسیر کردی ہے۔ ناظرین پر اب ظاہر ہوگیا ہوگا کہ تورات شریف کے اس مقام میں خدا کی طرف سے نہ تو کوئی بشارت موجود ہے اور نہ حضرت موسیٰ کے ہزاروں برس بعد آنے والے کسی خاص ایک نبی کی پیشین گوئی موجود ہے۔ بلکہ ان آیات میں خدا کا ایک امتناعی حکم ہے کہ قوم بنی اسرائیل مشرکانہ مکروہات سے قطعی پرہیز کرے۔ اور یہ حکم ہے وہ مشرک فالگیروں کی بجائے مامور من اللہ انبیاء کی طرف رجوع کیا کرے جن کو وہ برپا کیا کریگا جس طرح اس نے حضرت موسیٰ کو برپا کیا تھا۔ یہ انبیاء بت پرست فالگیروں کے سے طریقے اختیار نہیں کرینگے بلکہ خدائے برحق کے پیام بر ہونگے۔ اسکے ساتھ ہی قوم اسرائیل اور انبیاء دونوں کے لئے تعذیب ہے کہ اگر وہ اپنے اپنے فرائض سے غافل ہوجائیں گے تو سزا پائیں گے۔ بنی اسرائیل سرزمینِ کنعان سے جو ان کا موعودہ ملک ہے (آیت ۹) جلاوطن ہوکر دربدر مارے پھریں گے (یرمیاہ ۱۶: ۱۰ تا ۱۳۔ ۱۹ باب وغیرہ) اور کاذب نبی قتل کئے جائیں گے۔

قرآن مجید مذکورہ بالاآیات کامفہوم بایں اس الفاظ ادا کرتاہے :

" موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم خدا کی وہ نعمت جو تم پر ہے یاد کرو۔ اس نے تم میں نبی پیدا کئے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہان میں کسی کو نہ دیا تھا(سورہ مائدہ آیت ۲۳)۔ پھر کہتاہے " خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اوران میں بارہ سردار برپا کئے اور اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نمازیں پڑھتے اور زکواۃ دیتے اورہمارے نبیوں پر ایمان لاتے رہو اور ان کی مدد کرتے رہو اور خدا کو قرض حسنہ دیتے رہو تو میں تم سے تمہاری بدیاں دور کردونگا۔ اس کے بعد تم میں سے جو کوئی انحراف کریگا وہ بے شک سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ سوان کی عہد شکنی کے سبب ہم نے ان کو پھٹکاردیا اوران کے دل سیاہ کردئیے (مائدہ ۳)۔

تورات شریف کی آیات کا سطحی مطالعہ بھی ظاہر کردیتاہے کہ اس مقام میں کسی ایک نبی کی آمد کا نہ تو ذکر مقصود ہوسکتاہے اور نہ ایسی آمد کی طرف اشارہ ہی موجود ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ زمانہ مستقبل میں قوم اسرائیل کے لئے انبیاء کا ایک سلسلہ قائم کرنے کا وعدہ فرماتاہے جس کے ذریعہ وہ اپنی مرضی بنی اسرائیل پرظاہر کیا کریگا جس طرح اس نے اپنی مرضی حضرت موسیٰ کے ذریعہ ظاہر کی تھی۔تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انبیائے کرام حضرت موسیٰ کے کام کو متواتر اور مسلسل طورپر مختلف زمانوں میں مدام برقرار اور پیہم جاری رکھتے رہے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں نبوت کا سنگ ِ بنیادی رکھنے والے تھے اور بعد کے انبیاء اس بنیاد پر ایک نہایت زبردست اور عالیشان عمارت کے کھڑا کرنے والے تھے۔ یہ انبیاء اللہ اس عہد کو جو حضرت موسیٰ کی معرفت خدا اور بنی اسرائیل میں باندھا گیا بطرز احسن سمجھنے والے اوراپنے اپنے زمانہ میں اس عہد کے اصولوں پر عمل درآمد کرنے اور کرانے والے تھے۔ وہ ہر زمانہ میں حضرت موسیٰ کےجانشین رہے(متی ۲۵: ۲) وہ حکومت الہیٰہ کے علمبردار تھے اورانہوں نے مرنا قبول کیا لیکن مخالف حالات میں بھی اپنے پرچم کو سرنگوں ہونے نہ دیا۔ (۲۔تواریخ ۲۴: ۲۱۔ متی ۱۴: ۱تا ۱۲۔ ۲۳: ۳۵تا۳۷وغیرہ)۔

طائفہ انبیاء

یہ انبیاء کرام قومِ اسرائیل کے مختلف طبقوں اور حصوں سے برپا کئے گئے۔ بنی اسرائیل کے جس فرقہ اور طبقہ سے خدا کو ایسا شخص ملاجو اس کا پیغام پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا خدا اس کو مامور فرماتا تھا۔ پس انبیاء کسی خاص قبیلے یا طبقہ کے نہیں ہوتے تھے بلکہ قوم کے مختلف قبائل میں سے(تیرے ہی بھائیوں میں سے) مختلف زمانوں میں منتخب کئے جاتے تھے۔ مثلاً حضرت سموئیل ، حضرت یرمیاہ ،حضرت حزقی ایل کاہنوں کے طبقہ سے متعلق تھے۔حضرت یسعیاہ یروشلیم کے اراکین دربار میں سے تھے۔ حضرت میکاہ اورحضرت اوریاہ (یرمیاہ ۲۶: ۲۰) قصبات کے رہنے والے تھے۔ حضرت

عاموس گلہ بان اور چرواہے تھے (۷: ۱۔۷: ۱۰ تا ۱۷)۔عورتیں بھی نبوت کیا کرتی تھیں مثلاً حضرۃ مریم، بی بی دبورہ، بی بی خلدہ (۲سلاطین ۲۲: ۱۴۔ لوقا ۲: ۳۶وغیرہ) ۔ اہل یہود فخر یہ کہا کرتے تھے کہ" اسرائیل کے ملک میں کوئی ایسا شہر نہیں جس میں سے نبی برپا نہیں ہوا-" ربی الیعزر کا مقولہ مشہور ہے کہ" اسرائیل کے قبائل میں سے تم کو کوئی ایسا قبیلہ نہ ملیگا جس میں سے کوئی نبی مبعوث نہ ہوا ہو[1] "۔

یہ انبیاء خدا کا پیغام قوم کو پہنچایا کرتے تھے اگر مخالف حالات کی وجہ سے یا کسی اوروجہ سے کسی نبی کو عہد نبوت کے قبول کرنے میں پس وپیش ہوتا تو خدا اس کی بلاہٹ کے احساس کو بیش ازپیش تیز کردیتا ایسا کہ اس کو چاروناچار خدا کے بلاوے کو قبول کرنا پڑتا (یرمیاہ ۱: ۵تا ۶۔عاموس ۳: ۸۔ گنتی ۲۲: ۳۸وغیرہ) نبی اندرونی جبر اور باطنی دباؤ کے ماتحت خدا کا کلام بولتے تھے۔ (یرمیاہ ۲۰: ۹) ۔ان میں خدا کا روح محرک ہوتا تھا اور وہ تحریک ربانی سے مجبور ہو کر خدا کا پیغام قوم کو دیتے تھے (میکاہ ۳: ۸) اس پیغام کا نفس مضمون خود نبی کی صداقت کا ضامن ہوتا اور صرف یہی تصدیق صادق وکاذب نبی کی کسوٹی تھی۔ جس سے قوم معلوم کرسکتی تھی کہ یہ کلام خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔

[1] Hoskyns,the fourth Gospel vol.2.p371

یہ بات ذکر کرنے کے قابل ہے کہ کسی نبی کی انانیت اور انفرادی شخصیت نبوت کی وجہ سے فنا نہیں ہوجاتی ۔ ہر نبی کے پیغام کا طریقہ اور مضمون خصوصی ہوتا تھا جو صرف اسی سے مخصوص تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ ، حضرت حزقی ایل وغیرہ سب خدا کے نبی تھے لیکن ہر ایک کی نبوت کا طریق اور طرز بیان جداگانہ تھا ہر نبی اپنے خصوصی نکتہ نگاہ سے اپنی قوم تک خدا کا پیغام پہنچاتا تھا (یرمیاہ ۳۶: ۴، ۱۰) ایسا کہ کتبِ مقدسہ کا پڑھنے والاجانتاہے کہ حضرت حزقی ایل کا طریقہ حضرت موسیٰ کا سانہ تھا اور حضرت یرمیاہ کا طریقہ حضرت یسعیاہ کا سانہ تھا۔ عبرانیوں کے خط کے مصنف کے الفاظ میں " خدا نے حصہ بہ حصہ اورطرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کیا"۔ (عبرانیوں ۱: ۱) ہر نبی کی لیاقت، لطافت، استعداد، ذہنی نشوونما ، موقعہ بینی ، قیانہ فراست ، معرفت ، رفعتِ خیال ، وسعت نظر، پاکیزگی قلب علم وعقل وغیرہ میں اختلاف تھا اوراس اختلاف کی بناء پر بعض انبیاء اللہ انبیائے اصغر اور بعض انبیائے اکبر ہوئے۔

زمانہ ابتلاء اور نبی کی آمد

تاریخ شاہد ہے کہ مقامِ زیر بحث کے مطابق قومِ اسرائیل کے لوگ ہر زمانہ میں اور بالخصوص قوم کی خستہ حالی اور زوال کے دنوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی کی آمد کے منتظر اور مامومن اللہ شخص کی راہ دیکھا کرتے تھے۔مثلاً بنی اسرائیل

کی اسیری کے زمانہ میں وہ حضرت حزقی ایل سے خدا کی مرضی دریافت کرنے کو جاتے تھے(حزقی ایل ۸: ۱۔ ۱۴: ۱۔ ۲۰: ۱ وغیرہ)۔ اور جب مصیبت کے زمانہ میں ان کو خدا کا کوئی نبی نہ ملتا تو وہ واویلا مچایا کرتے تھے (۱۔سیموئیل ۳: ۱۔ نوحہ ۲: ۹ وغیرہ) چنانچہ ایک زبور نویس لکھتاہے :"اے خدا تونے ہم کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا۔ تو کوہِ صیون کو یاد کر اور ان سب خرابیوں کی طرف نظر کر جو دشمن نے تیرے مقدس میں کی ہیں۔ انہوں نے تیرے مقدس کوناپاک کیاہے اور خدا کے سب عبادت خانوں کوجلادیا ہے۔ہمارے نشان تک نظر نہیں آتے اور کوئی نبی نہیں رہا اورہم میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ حال کب تک رہیگا۔ اے خدا اپنے وعدہ کا خیال فرما"(زبور ۷۴۔ نیز دیکھو زبور ۲۲، ۴۴، ۶۰، ۷۹، ۸۹وغیرہ)۔ ایسے تاریک زمانوں میں خدا اپنے اس وعدہ کا جوزیر بحث مقام میں موجود ہے خیال فرما کر قوم بنی اسرائیل کی صحیح رہنمائی کے لئے نبی برپا کردیتا (۱۔سیموئیل ۳: ۲۰تا ۲۱ وغیرہ) تاکہ وہ قوم کو خدا کا پیغام پہنچائے ۔ خداقوم پر رحم فرماتااور قوم کی حالت سدھرجاتی یرمیاہ ۲۹: ۱۰تا ۱۴)۔

نتیجہ

پس ثابت ہوگیا کہ توریت شریف کی کتاب استثنا کی مندرجہ بالا آیات میں کوئی بشارت موجود نہیں چہ جائیکہ وہ کسی خاص ایک نبی کی بشارت ہو جو حضرت موسیٰ کے ہزاروں سال بعد آنے والا تھا۔ بلکہ مقامِ زیربحث میں خدا کی طرف سے ممانعت کے احکام اور سلسلہ نبوت کے قیام اور تعذیب کے وعدے موجودہیں۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان آیات میں کوئی خاص نبی مراد نہیں بلکہ ان میں ایسے ہر نبی کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہو کر قومِ یہود کی طرف بھیجا گیا اور حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت کلمتہ اللہ تک ہر وہ نبی جو انبیاء اللہ کی صف میں کھڑا ہے اس وعدہ الہٰی کی تکمیل کا جیتا جاگتا ثبوت ہے جس طرح بنی اسرائیل کی بربادی کے زمانے وعدہ تعذیب کے تاریخی ثبوت ہیں۔

فصل دوم

کتاب استثنا کی آیات اور سیدنا عیسیٰ ناصری

قومِ یہود کی تاریخ اور آیاتِ زیربحث

گذشتہ فصل سے ناظرین پر واضح ہوگیاہوگا کہ آیاتِ زیر بحث کے سیاقِ عبارت سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ تو کسی خاص نبی کا ذکر ہے اور نہ کسی ایک نبی کی بشارت موجود ہے۔ ان آیات میں خداوند کریم کا وعدہ ہے کہ جب کبھی ضرورت لاحق ہوگی وہ حسب موقعہ قوم یہودمیں نبی پیدا کردیگا جو اس وقت اور زمانہ کے لئے حضرت موسیٰ کا جانشین ہو کر اس کے سے فرائض ادا کریگا۔ ہم

ذکر کرچکے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں یہ ضرورت بار بار مختلف زمانوں میں پیش آئی جس کو خدا اپنے کرم وفضل سے پورا کرتا رہا۔ پس اس مقام میں کوئی خاص نبی مراد نہیں بلکہ ایک مستقل خداوندی دستور اور الہیٰ رواج کا ذکر ہے۔

اس الہیٰ معمولی کی حقیقت کو قومِ اسرائیل کی تاریخ واضح طور پر ثابت کردیتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے بعد جب بنی اسرائیل بغیر کسی لیڈر کے رہ گئی تو خدا نے حضرت یشوع کو برپا کیا اور فرمایا" جیسے میں موسیٰ کے ساتھ تھا ویسے ہی تیرے ساتھ رہوں گا۔ تو حوصلہ رکھ ، خوف نہ کھا اور بے دل نہ ہو"(یشوع ۱ : ۵تا ۱۰)۔ جب یشوع کے بعد" بنی اسرائیل نے خداوند کو چھوڑدیا اور بعل اور ستارات کی پرستش کرنے لگے تو وہ جہاں جاتے اذیت پاتے ایسا کہ وہ نہایت تنگ آگئے"۔ تب خدا نے ان کے لئے نبی برپا کئے جو قاضی بھی تھے (قضاۃ ۲: ۱۱تا ۱۸۔ ۳: ۹) اس کے بعد خدا نے یربعل، بدان، افتاح اور سیموئیل نبی کو برپا کیا(قضاۃ ۱۲: ۱۱) اور خدا نے حضرت سیموئیل کی معرفت انبیاء کا طبقہ مستقل طورپرقائم کردیا(۱۔سیموئیل ۱۹: ۲۰)۔

پس انبیائے یہود کی تاریخ کی کتابیں بھی جو یہودی کتبِ مقدسہ کے مجموعہ میں موجود ہیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا ہر زمانہ میں قومِ اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی پیدا کردیتا تھا۔ بالخصوص جب یہ قوم کسی مصیبت میں گرفتار ہوتی تو وہ خداوندی ارشاد کو یاد کرکے اپنے خدا کے حضور نالہ وفریاد کرتی اور کتابِ مقدس کی کتبِ تاریخ سے اور کتبِ انبیائے اصغر واکبر سے ظاہر ہے کہ خدا ان کی آہ زاری سن کر ان کے لئے نبی برپا کردیتا جو ان کے لئے شمع ہدایت ہوتے تھے۔

چنانچہ ایک مزمور نویس بنی اسرائیل کی تاریخ پر نظر کرکے لکھتا ہے" خداوند کی حمد کرو، خداوند کا شکر کرو کہ وہ بھلا ہے اوراس کی شفقت ابدی ہے۔ ہم نے اورہمارے باپ دادا نے گناہ کیا۔ انہوں نے مصر میں تیرے عجائب نہ سمجھے بلکہ بحر قلزم پر باغی ہوئے تو بھی اس نے ان کو اپنے نام کی خاطر بچایا۔ پھر وہ جلد اس کے کاموں کو بھول گئے اور صحرا میں خدا کو آزمایا۔انہوں نے جواب میں ایک بچھڑا بنالیا اور ڈھالی ہوئی مورت کو سجدہ کیا وہ اپنے منجئی خدا کو بھول گئے تب اس نے ان کے خلاف قسم کھائی کہ میں ان کی نسل کو قوموں کے درمیان گرادونگا۔ وہ بتوں کی قربانیاں کھانے لگے اوراپنے اعمال سے اس کی خشمناک کیا اور وبا ان میں پھوٹ نکلی۔ تب فینحاس اٹھا اور بیچ میں آیا اور وبا رک گئی ۔ انہوں نے خدا کو مریبہ کے چشمہ پر بھی خشمناک کیا وہ غیر اقوام کے ساتھ مل کر ان کے سے کام سیکھ گئے اوران کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لئے پھندا بن گئے بلکہ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربان کیا یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہو کر اپنے فعلوں سے خدا سے بے وفا ہوگئے اس لئے خدا کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اوراس نے ان کو قوموں کے قبضے

میں کردیا اوران کے دشمن ان پر حکمران ہوگئے۔ اس نے تو بار بار ان کو نجات
دی لیکن ان کا مشورہ باغیانہ ہی رہا تو بھی جب اس نے ان کی فریاد سنی تو ان
کے دکھوں پر نظر کی اوراس نے ان کے حق میں اپنے عہد کو یاد فرمایا اوراپنی
شفقت کی کثرت کے مطابق ترس کھایا" (زبور ۱۰۶- نیز دیکھو زبور ۸۱
وغیرہ)۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کی بعثت کا زمانہ

تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ کی بعثت کا زمانہ بنی اسرائیل کی
نکبت اورانتہائی زبونی کا زمانہ تھا۔ خدا کی اس برگزیدہ قوم بت پرست قیاصرہ
روم حکمران تھے۔ اہل یہود کا قافیہ ایسا تنگ ہوگیا تھا کہ وہ بار بار اپنے حکمرانوں
کے خلاف سر اٹھاتے تھے اور ہر بار ان کی سرکوبی کی جاتی تھی۔(اعمال ۵:
۳۶تا۳۷) جس طرح فراعنہ مصر کے زمانہ میں بنی اسرائیل پر عرصہ حیات
تنگ ہوگیا تھا اسی طرح وہ قیاصرہ روم کے جوئے تلے نالاں تھےاور کہتے تھے کہ یہ
" یہ غیر اقوام کا زمانہ " ہے(لوقا ۲۱: ۲۴) اوراس انتظار میں تھے کہ کب
کوئی موسیٰ ثانی برپا ہو اور ان کو غلامی سے نجات دلائے۔ بنی اسرائیل کے متعدد
دیندار مرد اور عورتوں کے گروہ خدا کے وعدہ کی طرف آنکھ اٹھائے " اسرائیل
کی تسلی " اور " خدا کی بادشاہت کے قیام کے منتظر " تھے (لوقا ۲: ۲۵تا
۳۷- ۲۴: ۲۱ وغیرہ)۔ اس گروہ میں بڑے اور چھوٹے ، عالم اورجاہل ،
شہروں اور گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان میں کاہن بھی تھے۔ فریسی بھی تھے
لاوی بھی تھے۔ صدرِ مجلس کے ارکان بھی تھے۔عوام بھی تھے۔ غرضیکہ اس گروہ
میں خوردو کلاں سبھی شامل تھے(مرقس ۱۵: ۴۳- یوحنا ۱: ۱۹- متی ۳:
۵- لوقا ۲۴: ۲۱ وغیرہ) بنی اسرائیل زبون حالی میں " اندھیرے اور موت
کے ملک اور سایہ " میں بیٹھے تھے (متی ۴: ۱۶) اوراس انتظار میں تھے کہ خدا
اپنے وعدہ کو جو زیر بحث آیات میں ہے یاد فرمائیگا اور جس طرح اس نے حضرت
موسیٰ اور دیگر انبیاء کی معرفت قوم اسرائیل کو پہلے زمانوں میں چھٹکارا دیا تھا
(زبور ۴۴، ۸۷ وغیرہ)اسی طرح اب بھی" ہمارے خدا کی عین رحمت سے
عالمِ بالا کا آفتاب ہم پر طلوع کرے گا تاکہ ان کو جو اندھیرے اور موت کے سایہ
میں بیٹھے ہیں ، روشنی بخشے اورہمارے قدموں کو سلامتی کی راہ پر ڈالے" (لوقا
۱: ۷۸تا ۷۹) یہ سب کے سب " اسرائیل کے چھٹکارے کے منتظر
تھے"(لوقا ۲: ۳۸- ۱: ۶۸- اعمال ۲۸: ۲۰ وغیرہ) ایسا کہ یہودی ربی
"اسرائیل کی تسلی " سےمراد خدا کا ممسوح نبی لیتے تھے[1] (یسعیاہ ۴۰: ۱-
۴۹: ۱۳- ۵۱: ۳- ۶۱: ۲- ۶۶: ۱۳- لوقا ۲: ۲۵)نبی موعود کے
لئے انتظار اس شدت کا تھا اور خوردو کلاں میں اس قدرِ عام تھا کہ قسم کھاتے

[1] Gore, Commentary on N.T.p.214 b.

وقت وہ کہتے تھے " مجھے اسرائیل کی تسلی کی قسم" یا " اسرائیل کی تسلی نہ دیکھوں اگر میں خلافِ واقعہ بیان دوں [1]۔

پس جس زمانہ میں سیدنا مسیح مبعوث ہوئے قوم اسرائیل اس خداوندی وعدہ کے پورا ہونے کی انتظار میں آنکھیں لگائے بیٹھی تھی جس کا ذکر کتابِ استثنا کی آیاتِ زیر بحث میں موجود ہے کہ" اے قومِ اسرائیل میں خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے نبی برپا کرونگا جس طرح میں نے موسیٰ کو برپا کیا تھا"۔لہذا جب کوئی شخص خداوند کی طرف سے آنے کا دعویٰ کرتا تو سب کہہ دیہ اس کے پاس دوڑے جاتے اوراس سے پوچھتے " کیا تو وہ نبی ہے"؟ (متی ۳: ۵تا ۷۔یوحنا ۱: ۲۱)یا " سب اپنے اپنے دل میں سوچتے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں "(لوقا ۳: ۱۵)کیونکہ ان کا یہ ایمان تھا کہ خدا بنی اسرائیل کی گریہ وزاری کو سن کروعدہ ان میں نبی برپا کریگا جو قوم کو چھٹکارا دلائیگا۔

سیدنا مسیح کی آمد اور آیات زیر بحث

جب انتظار کرنے والوں کے گروہ کثیر نے سیدنا عیسیٰ مسیح کے " کام اور کلام" کودیکھا تو ان کو " قدرت والا" پایا (لوقا ۲۴: ۱۹) اوران میں سے بہتیرے ایمان لے آئے (یوحنا ۷: ۳۱ وغیرہ)ان ایمان داروں نے دوسروں کو بھی آپ کی خبر دے کرکہا" جس کا ذکر موسیٰ نے توریت میں کیا وہ ہم کو مل گیا ہے۔وہ یوسف کا بیٹا عیسیٰ ناصری ہے"(یوحنا ۱: ۴۰تا ۴۵) حضرت کلمۃ اللہ کے سامعین میں سے جس نے بھی سیدنا مسیح کے کلامِ معجز نظام کو سنا اس نے کہا " بے شک یہ وہ نبی ہے"(یوحنا ۷: ۴۰)۔ دوسرے اشخاص آپ کے معجزات بینات کودیکھ کر بول اٹھے" جو نبی دنیا میں آنے والا تھا" فی الحقیقت یہی ہے" (یوحنا ۶: ۱۴۔۷: ۳۱وغیرہ) عوام الناس بھی آپ کو نبی مانتے اور جانتے تھے(متی ۲۱: ۴۶) اور وہ سب لوگ" خدا کی تمجید کرکے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی امت پر توجہ کی ہے(لوقا ۷: ۱۶)۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کو بھی یہ احساس تھا کہ آپ زیر بحث مقام کے وعدہ الہیٰ کے مطابق " بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں " کے لئے خدا کی طرف سے فرستادہ نبی ہیں (متی ۱۰: ۶۔ ۱۵: ۲۴۔ یوحنا ۴: ۲۵تا ۲۶۔ ۵: ۴۶۔ ۹: ۳۷۔ ۵: ۳۹۔ لوقا ۷: ۱۶۔ ۲۴: ۱۹تا ۲۷ وغیرہ) آپ یہ جانتے تھے کہ آپ مسیح موعود ابن اللہ ہیں (متی ۱۶: ۱۶تا ۱۷۔لوقا ۲۱: ۴۴وغیرہ) آپ کو یہ احساس تھا کہ حضرت یسعیاہ نے اپنے زمانہ کے "خادم یہوواہ" کے جو کمالات بتلائے ہیں وہ حالاتِ زمانہ کی مطابقت کی وجہ سے آپ کی ذاتِ قدسی صفات میں پائے جاتے ہیں (لوقا ۴: ۱۶تا ۲۳۔ ۱۸: ۳۱۔ متی ۹: ۱۲۔ مرقس ۱۴: ۲۱ ۔ یسعیاہ ۵۲: ۱۳۔

[1] World Studies in N.T.by Vincent vol.i.p.273

۵۳: ۱۲ وغیرہ) آپ دیکھتے تھے کہ قوم یہود صریحاً راہِ حق سے بھٹک گئی ہے اور خدا نے آپ کو سچائی کی سلطنت کا سلطان مقرر فرما کر ان کی جانب بھیجاہے (یوحنا ۱۸: ۳۳تا ۳۸) تاکہ ان کے لئے راہ حق اور زندگی ثابت ہوں اور ان کو خدا کے پاس واپس پھیر لائیں۔(یوحنا ۱۴: ۶) آپ کے اس احساس کی وجہ سے آپ کے دل میں قوم کے لئے ایک درد تھا (متی ۲۳: ۳۷۔ لوقا ۱۳: ۳۴) جو آپ کو چین لینے نہیں دیتا تھا۔ قوم کی خستہ حالی اور برگشتگی کو دیکھ کر آپ تڑپ جاتے تھے۔ اوراس کے حشر اورانجام کا خیال آپ کو ہر وقت اور بالخصوص زندگی کے آخری زمانہ میں رہ رہ کر ستاتا تھا(متی ۲۰: ۳۲۔ ۲۱: ۲۸تا ۳۲۔ ۲۲تا ۲۴ ابواب وغیرہ) آخری دنوں میں آپ ملت کی حالت کودیکھ کر رودیئے (لوقا ۱۹: ۴۱تا ۴۴۔ لوقا ۲۳: ۲۷تا ۳۱) اورآپ نے قائدینِ ملت کو وہ الہیٰ وعدہ تعذیب بھی یاد دلایا جوآیات زیرِبحث میں ہے(استثنا ۱۸: ۱۹۔ مرقس ۱۳: ۱تا ۲۔ لوقا ۱۹: ۴۱تا ۴۴ وغیرہ) بلآخر آپ نے اپنی نبوت پر اپنے خون سے مہر ثبت کی۔خدا نے اپنے وعدہ تعذیب کے مطابق بنی اسرائیل کو ایسی عبرت ناک سزادی کہ وہ دنیا کے چاروں کونوں میں پراگندہ ہوکر تباہ وبرباد ہوگئے کیونکہ انہوں نے اس کے مسیح کی نہ سنی۔

حضرت کلمتہ اللہ قومِ اسرائیل کو فرماتے تھے " تم کتابِ مقدس کو بغور پڑھو۔ وہ میری گواہی دیتی ہے "(یوحنا ۵: ۳۹)۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں حسب ضرورت اور بالخصوص ابتلا اور مصیبت کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لئے نبی برپا کرے گا جس طرح اس نے فرعونِ مصر کے زمانہ میں حضرت موسیٰ کو برپا کیا تھا دورِ حاضرہ میں خدائے برتر وتعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔

سیدنا مسیح کے رسول بھی اسی ارشادِ خداوندی کا ذکر کرکے (اعمال ۳باب) اہلِ یہود کو کہتے تھے " اب سموئیل سے لے کر" پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب نے ان دنوں کو خبردی ہے۔ خدا نے (اپنے وعدہ کے مطابق) اپنے خادم (عیسیٰ) کو برپا کرکے پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے۔ اے گردن کشو اور کان کے نامختونو۔ تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادا نے نہیں ستایا ؟ اوراب تم اس راستباز (عیسیٰ) کے پکڑنے والے اور قاتل ہوئے "(اعمال ۳: ۲۴۔ ۷: ۵۱تا ۵۲) سیدنا عیسیٰ کے رسول مندرجہ بالاآیات میں قوم اسرائیل کو بار بار ارشادِ خداوندی یاددلا کر کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے قدیم وعدہ (مندرجہ در کتاب استثنا) کو ہمارے زمانہ میں بھی پورا فرمایا ہے اور تمہارے لئے اس نے اپنے خادم عیسیٰ کو برپا کیا ہے(آیت ۱۳) جو ابراہام کی حقیقی نسل"(تمہارے بھائیوں میں") سے ہے۔ جس طرح طرح خدا نے قدیم زمانہ میں حضرت موسیٰ کو برپا کیا تھا جو خدا اور اسرائیل کے درمیان پرانے عہد کا بانی تھا اسی طرح اب اس نے عیسیٰ کو برپا

کیا ہے جو موسیٰ کی مانند خدا اورانسان کے درمیان نئے عہد کا بانی ہے(عبرانیوں ۳: ۱تا ۶۔ ۹: ۱۸تا ۲۰۔ ۱۲: ۲۴۔ یوحنا ۱: ۱۷۔ مکاشفات ۱۵: ۲تا۳وغیرہ)۔

نتیجہ

اب ناظرین پر آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگیا ہوگا کہ زیر بحث آیات میں کسی خاص نبی کی بابت پیشین گوئی نہیں کی گئی بلکہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت موسیٰ سے لے کر سیدنا عیسیٰ تک، سب کے سب اس وعدہ میں شامل ہیں جو خدا نے اپنی برگزیدہ قوم سے کیا تھا کہ وقت مناسب پر خدا اس میں نبی برپا کرتا رہیگا، جو مختلف زمانوں میں اس کے لئے مشعل ہدایت ہوں گے۔

چنانچہ حضرت ہوسیع کی معرفت خدا بنی اسرائیل کو یاد دلاتاہے کہ" میں نے انبیاء کی معرفت کلام کیا اور رویا پر رویا دکھلائی۔ ایک نبی (موسیٰ) کے ذریعہ خداونداسرائیل کو مصر سے نکال لایا اور نبی ہی کے وسیلے یعنی نبیوں کے سلسلہ کے وسیلے) وہ محفوظ رہا(۱۲: ۱۰تا ۱۳) پھر لکھا ہے " خداوند سب نبیوں اور غیب بینوں (۱سیموئیل ۹: ۹) کی معرفت اسرائیل اور یہوداہ کو آگاہ کرتا رہا کہ تم اپنی بری راہوں سے بازآؤ" (۲سلاطین ۱۷: ۱۳۔ نحمیاہ ۹: ۳۰۔زکریا ۱: ۴وغیرہ)۔

اس وعدہ الہیٰ میں سیدنا مسیح بھی نہ صرف شامل ہیں بلکہ اس وعدہ کی آخری تکمیل بھی ہیں کیونکہ آپ اہلِ یہود کے لئے حجتہ اللہ ہو کرآئے تھے تاکہ ان پر اتمامِ حجت ہوجائے(یوحنا ۸: ۲۴۔ ۱۶: ۹) اسی لئے سیدنا مسیح خود (لوقا ۲۴: ۲۷۔ یوحنا ۵: ۳۹وغیرہ) اور سیدنا عیسیٰ کے حواری (یوحنا ۱: ۴۵ وغیرہ) اورانجیل نویس (یوحنا ۲۰: ۳۱) اور سیدنا عیسیٰ کے مبلغ (اعمال ۳: ۲۲۔ ۷: ۳۷وغیرہ) سب کے سب آیات زیر بحث کے وعدہ کو آنخداوند کی مسیحائی کے ثبوت میں پیش کرکے ثابت کرتےہیں کہ آپ ہی مسیح موعود تھے جو وعدہِ خداوندی کے مطابق برپا ہوئے(اعمال ۹: ۲۲۔ ۱۷: ۳وغیرہ)۔

فصل سوم

کتاب استثنا کی آیات اور محمد عربی

اس باب کی گذشتہ فصلوں کے مطالعہ سے ناظرین کرام پرروشن ہوگیا ہوگا کہ صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق:

(۱۔) آیات زیر بحث میں کسی بشارت کا ذکر نہیں بلکہ ان میں خداوند کریم کا یہ حکم ہے کہ وہ بُت پرست اقوام کے مشرک فالگیروں کی بجائے انبیائے کرام کی طرف رجوع کریں جن کا سلسلہ وہ اپنے جودوکرم سے قائم کرے گا۔

(۲۔) سلسلہ انبیاء کے قیام کا وعدہ بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا اور صرف بنی اسرائیل ہی اس وعدہ کے مخاطب تھے۔

(۳۔) یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ یہ انبیاء قوم اسرائیل کے افراد تھے اور کہ وہ سب کے سب عبرانی النسل تھے اور بنی اسرائیل کے مختلف قبائل سے مبعوث ہوئے تھے۔

(۴۔) یہ انبیاء فقط بنی اسرائیل کی قوم کی ہدایت کے لئے برپا کئے گئے تھے۔

(۵۔) جب قومِ اسرائیل نے ان انبیاء کا حکم مانا وہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئی لیکن جب اپنی سرکشی کے سبب اس نے ان کے احکام کی شنوائی نہ کی تو اس سے مواخذہ کیا گیا اور خداوندی وعدہ تعذیب کے مطابق اس کو سزا ملی۔

(۶۔)سیدنا عیسیٰ عہدِ عتیق کے اس سلسلہ انبیاء کی آخری تکمیل تھے۔ نبوت کے کمال کا جلال آپ کے ہر مسیحائی دم سے ایسا ظاہر تھا کہ آپ "خدا کے جلال کا پر تو اور اسکی ذات کا نقش" تھے(عبرانیوں ۱: ۳۔ ۲ پطرس ۱: ۱۷۔ یوحنا ۱: ۱۴۔ متی ۱۷: ۱ تا ۶ وغیرہ)۔

مندرجہ بالا تواریخی حقائق اور صحیح تفسیر کو مدِ نظر رکھ کر کون منصف مزاج شخص کہہ سکتا ہے کہ:

(۱۔)ان آیات میں کوئی " بشارت" موجود ہے۔ چہ جائیکہ وہ کوئی " صاف اور روشن بشارت" ہو؟

(۲۔) کون انصاف پسند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ " ان آیتوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا"؟صرف قادیان کی چار دیواری ہی سے (جہاں عقل و نقل کو دخل نہیں) یہ آواز نکل سکتی ہے کہ یہ " پیشین گوئی ہر پہلو سے محمد ﷺ پر پوری ہوئی اور آپ کے سوا کسی دوسرے شخص کے حق میں اس کا پورا ہونا ثابت نہیں ہوسکتا"۔

(۲)

بفرضِ محال اگرہم تسلیم بھی کرلیں کہ نبوت کا اصل مقصد پیشین گوئیاں کرنا ہی ہے اور کہ آیاتِ زیرِ بحث میں کسی ایک خاص نبی کی پیش خبری دی گئی ہے تب بھی یہ کس طرح ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ بشارت صرف حضرت محمد عربی کے حق میں ہی ہے جب کہ:

(۱۔) ان آیات میں اہلِ عرب کو مخاطب ہی نہیں کیا گیا۔

(۲۔) ان تمام آیات میں اہلِ عرب کے لئے خدا کا کوئی وعدہ موجود نہیں ہے۔

(۳-) محمد عربی قبائل بنی اسرائیل سے نہیں تھے بلکہ عرب کے قبیلہ قریش سے تھے۔

(۴-) قرآن مجید کے مطابق آپ عرب کی ہدایت کے لئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔

انشاء اللہ اگلے باب میں زیر بحث آیت کے تمام الفاظ پر مفصل بحث کرکے یہ ثابت کردینگے کہ " سوائے اس شخص کے جو براہِ تعصب آنکھ بند کرے" کوئی صحیح العقل شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتاب استثناء کی یہ آیت " حضرت محمد کے حق میں ہے"۔

باب سوم

"بشارتِ موسوی" کے الفاظ

آیات کا تحت اللفظی ترجمہ

متلاشیانِ حق کی خاطر ہم آیاتِ زیر بحث کے عبرانی الفاظ کو اردو رسم الخط میں لکھ کر ہر لفظ کے نیچے اس کا اردو ترجمہ کردیتے ہیں تاکہ حق شناس اصل حقیقت سے واقف ہوسکیں[1]۔

آیت ۱۵:

نابی	مقبرک	مے	اخیک
نبی	تیرے درمیان سے	میں سے	تیرے بھائیوں
کامونی	یاقیم	لک	یہوے
میری مانند	کھڑا کرتا رہیگا	تیرے لئے	خداوند

[1] سر سید احمد مرحوم عبرانی زبان سے ناواقف تھے لہذا ان آیات کے عبرانی الفاظ کو عربی رسم الخط میں نقل کرتے وقت ان سے غلطیاں ہوگئی ہیں (خطبات صفحہ ۵۹۸) کیونکہ ان کی عبرانی زبان کے ماخذ کوئی " مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی" تھے۔ (صفحہ ۱۶۳، ۶۰۵)۔ جن کی عبرانی دانی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ تورات شریف کی آیات کو صحیح طور پر لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے تھے۔ (برکت اللہ)

الوہیک   الاؤ   تشمعون

تیرا خدا   اس کی   تم سننا

آیت ۱۸:

نابی   آقیم   لھم   مقرب

نبی   میں برپا کرتا رہونگا   ان کے لئے   درمیان سے

اخی ھم   کاموک   و   ناتاتی

ان کے بھائیوں   تیری مانند   اور   میں ڈالوں گا

دبرئ   بفیو   و   دبر

اپنا کلام   اس کے منہ میں   اور   وہ کہیگا

الھیم   اِت کل   اشر   اصونو

ان سے   وہی کچھ   جو   میں اسے حکم دونگا

پس زیرِ بحث آیات کا سلیس اردو ترجمہ یہ ہوا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند نبی برپا کرتا رہیگا۔ تم اس کی سننا۔۔۔۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری مانند نبی برپا کرتا رہونگا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا اور جو حکم میں اس کو دونگا وہ وہی کچھ ان سے کہیگا"۔

آیت ۱۵ میں حضرت موسیٰ قوم اسرائیل کو مخاطب کرتاہے اور اٹھارویں آیت میں خدا حضرت موسیٰ کو مخاطب کرتاہے۔ دونوں آیتوں کا مفہوم اور مطلب یکساں ہے۔

فصل اوّل

لفظ "اخی" کے مفہوم کا تعین

صحیح اصول تفسیر

کتابِ مقدس کے کسی لفظ کے صحیح معنی اور اصل مطلب کو جاننے کے لئے لازم ہے کہ ہم اس کو ان معنوں میں سمجھیں جن میں وہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم کتابِ مقدس کی ورق گردانی کرکے ان تمام مقامات کو یک جا کریں جہاں وہ لفظ وارد ہوا ہے تاکہ اس کا حقیقی مطلب جو ملہم لکھنے والوں کے ذہن میں تھا ہم پر ظاہر ہوجائے۔ یہ طریقہ کار صحیح اصول تفسیر کے مطابق ہے۔ جس پر عمل کرکے ہم تفسیر بالرائے کے گڑھے سے بچ سکتے ہیں۔ یہ طریقہ ہم پر ظاہر کردیتاہے کہ جو مطلب ہم کسی لفظ کا لیتے ہیں وہ قائل کے منشاء کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر وہ مطلب کتاب مقدس کے مفہوم کے مطابق نہیں تو ایمانداری کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے خود ساختہ مفہوم کو چھوڑ کر اس معنی کو اختیار کریں جو کتابِ مقدس کا ہے۔

لفظ اخی اور کتابِ مقدس

جب ہم اس اصولِ تفسیر پر چل کر تورات شریف کے اوراق پلٹتے ہیں تو ہم پرواضح ہوجاتاہے کہ:

(۱-) لفظ" اخی " بمعنی بھائی ایک عام اور مشہور اصطلاح اور محاورہ ہے جو تورات شریف میں اکثر جگہ وارد ہوا ہے۔

(۲-) مجرد اصطلاح " بھائی " اور "بھائیوں" سے ہمیشہ اور ہر مقام میں مراد" بنی اسرائیل" ہے اور

(۳-) تمام کی تمام تورات میں یہ اصطلاح کسی غیر بنی اسرائیل کے حق میں کسی ایک مقام میں بھی کہیں پائی نہیں جاتی۔

یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ کیوں یہ اصطلاحی جملے" ان کے بھائی"-"تمہارے بھائی "-"اپنے بھائی "-"ہمارے بھائی"- اس کے بھائی" وغیرہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لئے مخصوص ہیں؟ تورات شریف یہ جواب دیتی ہے کہ قوم یہود، حضرت یعقوب (جن کا دوسرا نام "اسرائیل "تھا) کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھی- اور بارہ فرقوں میں منقسم تھی- قرآن مجید بھی ہم کو یہ بتلاتاہے - چنانچہ لکھاہے" ہم نے اسرائیل کی نسل کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کیا جو بڑی بڑی جماعتیں تھیں"(اعراف ع ۲۰) -ان بارہ بیٹوں کی اولاد آپس میں " بھائی"کہلائے تاکہ متفرق قبیلوں کی تقسیم سے باہم مغائرت پیدا نہ ہو اور اسرائیل کی تمام نسل میں برادری اوراُخوت کا رشتہ اورسلوک ہمیشہ قائم اور استوار رہے- اس غرض سے بارہ کے بارہ فرقوں کے لوگ اپنے مورثِ اعلیٰ اسرائیل کے فرزند یا بنی اسرائیل کہلائے اوران کی نسبت ارشاد ہوا کہ "اسرائیل کے سب گھرانوں کے لوگ تمہارے بھائی ہیں"(احبار ۱۰: ۶) یعنی ازروئے شریعت " صرف اسرائیل کے سب گھرانوں کے لوگ" آپس میں "بھائی "کہلا کر ایک قومی برادری میں شریک ہوئے جس سے ہر غیر اسرائیلی شخص خارج ہوکر شرعاً " اجنبی" کہلایا(استثنا ۱۷: ۱۵- ۲۳: ۱۹تا ۲۰ وغیرہ) جس میں سے کسی کاہن یا بادشاہ کامقرر ہونا قطعی طورپر شریعت میں ممنوع کیا گیا-(استثنا ۱۷: ۱۵)-

تورات شریف کے علاوہ کتابِ مقدس کی دیگر کتب میں بھی یہ محاورہ" تمہارے بھائی" - " میرے بھائی" - ان کے بھائی " وغیرہ بعینہ انہی معنوں میں بنی اسرائیل کے لئے جا بجا استعمال کیا گیا ہے- مثال کے طورپر دیکھو یشوع ۲۲: ۴، ۸- ۱۴: ۸- ۲۳: ۷- ۱سلاطین ۱۲: ۲۴ وغیرہ)-

مولوی صاحب غلط فرماتے ہیں کہ اور تورات شریف ان کے اس دعوےٰ کی تردید کرتی ہے کہ " توریت مقدس میں جہاں لفظ "بھائی " بنی اسرائیل کے حق میں بولا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ لفظ" بنی اسرائیل" کی بھی قید آئی ہے "-

ہم نے سطور بالا میں حقیقت حال عرض کردی ہے کہ تمام تورات میں جملہ" اپنے یا ان کے یا تمہارے یا تیرے بھائی یا بھائیوں" اپنی اس قطعی اور غیر محدود صورت میں کسی ایک مقام میں بھی غیر اسرائیلی کے لئے کہیں استعمال نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ اصطلاح بطور معہودِ ذہنی کے بنی اسرائیل اور صرف بنی اسرائیل کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

(۱۔) وہ جو اپنے بھائیوں میں سردار کاہن ہے (احبار ۲۱: ۲۰) کوئی غیر اسرائیلی کاہن یا سردار کاہن نہیں ہوسکتا۔

(۲۔) ایک اسرائیلی آیا اور اپنے بھائیوں کے پاس ایک مدیانی عورت لایا۔ (گنتی ۲۵: ۶)۔

(۳۔) میں نے تمہارے قاضیوں سے تاکید کی تمہارے بھائیوں میں جو مقدمہ ہو اسے سنو۔ (استثنا ۱: ۱۶)۔

(۴۔) ہمارے بھائیوں نے تو ہم کو بیدل کردیا۔ (استثنا ۱: ۲۸)۔

(۵۔) تم سب جنگی مرد مسلح ہو کر اپنے بھائیوں بنی اسرائیل کے آگے آگے پار چلو۔۔۔۔۔۔۔ جب تک خداوند تمہارے بھائیوں کو چین بخشے (استثنا ۳: ۱۸ تا ۲۰)۔

(۶۔) لاوی کا حصہ اور میراث اس کے بھائیوں کے ساتھ نہیں (استثنا ۱۰: ۹)۔

(۷۔) اس کا دل اس کے بھائیوں پر گھمنڈ نہ کرے۔ (استثنا ۱۷: ۲۰)۔

(۸۔) ان کی میراث ان کے بھائیوں کے ساتھ نہ ہوگی (استثنا ۱۸: ۲)۔

(۹۔) تو اپنے بھائیوں میں سے کسی کو اپنے اوپر بادشاہ مقرر کرنا اور کسی اجنبی کو جو تیرا بھائی نہیں اپنے اوپر بادشاہ قائم نہ کرنا۔ اس کے دل میں غرور نہ ہو کہ وہ اپنے بھائیوں کو حقیر جانے (استثنا ۱۷: ۱۵ تا ۲۰)۔

(۱۰۔) اگر تمہارے درمیان تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مفلس ہو (استثنا ۱۵: ۷) بجنسہ یہی الفاظ آیاتِ زیر بحث میں وارد ہوئے ہیں پس ان دونوں مقامات کی صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق تاویل بھی ایک ہی ہونی چاہیے۔

آیت نمبر ۹ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ تمام دنیا کے لوگوں کی دو حصوں میں تفریق کی گئی ہے ۔ یعنی "بھائی" اور" اجنبی " ۔ بنی اسرائیل "بھائی " ہیں اور کل غیر اسرائیلی " اجنبی" ہیں۔ کوئی " اجنبی" یعنی غیر اسرائیلی قوم اسرائیل پر حکمران نہیں ہوسکتا اور نہ ان کا کاہن یا سردار کاہن ہوسکتا ہے ۔ "بھائی "اور "اجنبی " کی یہ تفریق تورات شریف کے دیگر مقامات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً تو اپنے بھائیوں کو سود

پر قرض نہ دینا تو اجنبی کو سودی قرضہ دے سکتا ہے "(استثنا ۲۳: ۱۹ تا ۲۰ نیز دیکھو ۲۴: ۱۴ ۔احبار ۲۰: ۱ وغیرہ)۔

اگر جملہ" اپنے بھائیوں" سے مراد بنی اسماعیل ہیں تو ہمارے مخاطب ہی بتلادیں کہ کب بنی اسرائیل نے بنی اسماعیل کے کسی شخص کو اپنا بادشاہ بنایا؟ اور کب خدا نے بنی اسماعیل میں سے کسی کو ان پر بادشاہ مقرر کیا؟ یا کب بنی اسرائیل نے کسی بنی اسماعیلی کو اپنا کاہن یا سردار کاہن بنایا؟ یا بنی اسرائیل کے قاضیوں نے بنی اسمعیلیوں کے مقدمات کی سماعت کی ؟ یا کب بنی اسرائیل مسلح ہو کر چلے تا کہ بنی اسماعیل کو چین نصیب ہو؟ وغیرہ وغیرہ ۔ مذکورہ بالاآیات نمبر ۹ کے حکم کے مطابق حضرت سیموئیل نبی نے پہلا بادشاہ جب ممسوح کیا تووہ نہ توبنی اسماعیل سے تھا اور نہ بنی ادوم میں سے تھا اور نہ کسی ایسی قوم میں سے تھا جس کے آباواجداد کا اوراسرائیل کے آباواجداد کا قدیم زمانہ میں خونی رشتہ رہ چکا تھا بلکہ بنی اسرائیل کا پہلابادشاہ بنیمین کے قبیلہ سے شاؤل بن قیس تھا(۱ ۔سیموئیل ۱۰: ۲۰ تا ۲۴)۔

قرآن میں بھی یہی لفظ" اخی" بمعنی بھائی خاص اسی قوم کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں آیا ہے وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ یعنی " مدیان کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب جس نے کہا اے میری قوم " اس آیت میں شعیب اپنے قبیلہ کو" اے میری قوم" کہہ کر مخاطب کرتاہے پس قرآنی لفظ اخاھم (ان کا بھائی) تورات کے لفظ اخی ھم کی تفسیر ہے اور تورات کے محاورہ اور اصطلاح کی مصدق ہے۔

مولوی صاحب کا دعویٰ کہ " توریت مقدس میں جہاں لفظ "بھائی"بنی اسرائیل کے حق میں بولا یا گیاہے وہاں اس کے ساتھ لفظ" بنی اسرائیل " کی بھی قید آئی ہے"۔ تورات شریف اور قرآن مجید دونوں کی رو سے غلط ہے۔ ہاں، تورات شریف کے بعض مقامات میں لفظ" بھائیوں" کے ساتھ " بنی اسرائیل" کا لفظ توضیح اور تاکید کی خاطر ایزاد کردیا گیاہے مثلاًمذکورہ بالاآیات میں نمبر ۵آیت یااحبار کی کتاب کی آیت " لیکن بنی اسرائیل جوتمہارے بھائی ہیں ان میں سے کسی پر تم سختی سے حکمرانی نہ کرنا"(۲۵: ۴۶)۔ان اور تمام دیگرآیات میں صرف تاکید اور وضاحت کی خاطر لفظ" بنی اسرائیل" ایزاد کیا گیاہے۔

تورات شریف کا مطالعہ یہ امر بھی واضح کردیتاہے کہ اگرکسی مقام پر آبائی نسل کے لحاظ سے کبھی کسی غیر اسرائیلی " کو بھائی" کہنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو فوراً اس خاص قوم کا نام بھی ساتھ ہی لکھ دیا تا کہ اس عام اصطلاح اورمشہور محاورہ میں سرے سے غلط فہمی کا امکان اوراحتمال مٹ جائے ۔(مثلاً ملاحظہ ہو:

(۱ ۔) تو کسی ادومی سے نفرت نہ رکھنا کیونکہ وہ تیرا بھائی ہے۔(استثنا ۲۳: ۷۔دیکھوپیدائش ۲۵: ۲۴تا ۲۶)۔

(۲-) تم کو بنی عیسو تمہارے بھائی جو شعیر میں رہتے ہیں ان کی سرحد کے پاس سے ہو کر جانا ہے"(استثنا ۲: ۴)۔

(۳-) ہم اپنے بھائیوں بنی عیسو کے پاس جو شعیر میں رہتے ہیں گذر گئے(استثنا ۲: ۸) وغیرہ۔

پس کتابِ مقدس کا مطالعہ یہ ثابت کردیتا ہے کہ مجرد اصطلاح "بھائی" "بھائیوں" وغیرہ سے مراد قوم بنی اسرائیل کےقبائل مراد ہیں اور کہ یہ اصطلاح بنی اسرائیل اور صرف بنی اسرائیل کے لئے ہی مخصوص ہے۔

کیا بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل "بھائی" ہیں؟

ہم ایک اورامر اپنے مخاطب کے گوش گذار کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تمام تورات کو چھان مارو، تم کو کسی ایک مقام میں بھی لفظ" بھائی" اور بنی اسماعیل" ایک جگہ نہیں ملیں گے جس طرح اوپر کی آیات میں لفظ" بھائی" ادومی اور بنی عیسو کے ساتھ آبائی نسل کے لحاظ سے ایک جاوارد ہوا ہے۔ کیا یہ امر حیرت کا موجب نہیں کہ تورات چھوڑ تمام عبرانی کتب مقدسہ کے مجموعہ میں کسی ایک جگہ بھی بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کا بھائی نہیں کہا گیا؟ اور یہ ایک واضح اور مسلمہ حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل آج تک بنی اسماعیل کو " غیر قوم" ہی جانتے اور گرادنتے چلے آئے ہیں۔

اندریں حالات کس صحیح اصول تفسیر کے مطابق ہمارے مخاطب لفظ" بھائیوں" کا اطلاق بنی اسماعیل پر کرسکتے ہیں؟

اگر بفرضِ محال ہم ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم بھی کرلیں کہ لفظ "بھائیوں" سے غیر اسرائیلی مراد ہوسکتے ہیں تو ان اسلامی مناظرین کی تفسیر کے مطابق اس لفظ کا اطلاق قوم بنی آدم پر ہوگا لیکن قوم بنی اسماعیل پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت اسماعیل حضرت اسرائیل (یعقوب) کے بھائی نہیں تھے بلکہ سوتیلے چچا تھے۔ لیکن حضرت عیسو حضرت اسرائیل کے حقیقی بھائی تھے(۲۵: ۲۴تا ۲۶ کتاب پیدائش)پس ان مناظرین کی من گھڑت تاویل کے مطابق نبی" معہود کو بنی اسماعیل سے نہیں بلکہ بنی ادوم سے ہونا چاہیے!۔

ہمارے مخاطب کو یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اگر بفرض محال بنی اسماعیل کسی معنی میں بنی اسرائیل کے بھائی کہلائے جاسکتے ہیں تو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بوجہ احسن ایک دوسرے کے بھائی کہلائے جانے کے مستحق ہیں اوریہی وجہ ہے کہ جیسا کہ ہم سطور بالا میں بتلا چکے ہیں۔ یہ اصطلاح بنی اسرائیل کے بارہ قبائل سے مخصوص تھی۔ ہم اس نکتہ کو ایک عام مثال سے واضح کردیتے ہیں۔ فرض کروکہ کوئی حاکم کسی شخص کو کہے کہ میں فلاں ملازمت " تمہارے بھائیوں میں سے " کسی کو دینا چاہتا ہوں کہ تو کون شوریدہ سر یہ سمجھیگا کہ اس کے اپنے بھائی تو حاکم کے حکم سے خارج ہیں اور ملازمت اس کے اپنے بھائیوں میں سے کسی کو نہیں دی جائیگی بلکہ اسکے سوتیلے چچا کی اولادمیں سے کسی کو ملیگی۔ لیکن ہمارے مخاطب کی مضحکہ خیز دلیل کا یہی تقاضا ہے کہ نبوت کا عہدہ بنی اسرائیل کے قبائل کو چھوڑ کر بنی اسماعیل کے

کسی قبیلہ کی اولاد کے کسی فرد کو ملے۔ لیکن نہ صرف عقل سلیم ہمارے مخاطب کے خلاف ہے بلکہ جیسا ہم ثابت کرچکے ہیں نقل بھی اس کے خلاف ہے اور خود قرآن (اعراف آیت ۱۸۳) اس کی تاویل کے خلاف فتویٰ دیتا ہے۔

پس تورات شریف، قرآن مجید اور عقل سلیم سب کے سب ہماری تاویل کی مصدق ومعاون ہیں کیونکہ وہ صحفِ سماوی کے صحیح اصولِ تفسیر پر مبنی ہے۔

حضرت محمد کا نسب نامہ

ہم بابِ دوم میں ثابت کرچکے ہیں کہ زیر بحث آیات میں کسی خاص شخص کی آمد کی پیش خبری موجود نہیں ہے لیکن اگرہم اپنے مخاطب کی پاس خاطر بفرضِ محال ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیں کہ اس مقام میں کسی خاص نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اور مولوی صاحب کی دلیل کو ایک منٹ کے لئے سچ فرض کرلیں کہ یہ پیشین گوئی بنی اسماعیل کے حق میں ہے تاہم مولوی صاحب کا دعویٰ نبوتِ محمدیہ باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ مولوی صاحب کی مفروضہ دلیل صرف اس حالت میں ان آیات سے نبوتِ محمدیہ ثابت کرسکتی ہے جب کہ وہ پہلے محمد عربی کو ایسی یقینی اور مضبوط تاریخی شہادت سے بنی اسماعیل ثابت کردیں جس کو ان کے مخالف بھی چاروناچار تسلیم کرلیں۔ لیکن اگر وہ آنحضرت کا نسب نامہ حضرت اسماعیل تک نہ پہنچاسکیں تو ان آیات سے حضرت محمد صاحب کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس دلیل کا تمام دارومدار آنحضرت کے صحیح نسب نامہ پر ہے نہ کسی اور بات پر۔ کوئی شخص چاہے وہ کیسا ہی بڑا نبی کیوں نہ ہو اس " پیشین گوئی "کا مصداق نہیں ہوسکتا۔تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ وہ بنی اسرائیل کے" بھائیوں میں سے" ہے۔

ہمارے مخاطب خوب جانتے ہیں کہ عیسائی حضرت محمد عربی کو حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں جانتے۔ مولوی صاحب اس امر کو ثابت کرنے سے گریز کرنے کے لئے الزامی ہتھیار (جومیدانِ تحقیق میں محض بے کار ہے) کام میں لاتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ " بعض عیسایئوں نے اپنی تصنیف میں نسب نامہ کے بارے میں اعتراض کئے ہیں کہ مسلمانوں کو حضرت محمد کا نسب نامہ حضرت اسماعیل ضرور ثابت کرنا چاہیے۔ اس لئے میں ان کے جواب میں لکھتا ہوں کہ اگر نسب نامہ کاہونا دلیل برسالت ہے توپہلے عیسائیوں کو حضرت مریم کاسلسلہ نسل داؤد تک تو ثابت کرنا چاہیے "(صفحہ ۴۶)۔

بھلا یہ کیا جواب ہے؟ اس جواب سے حضرت محمد عربی کا نسب نامہ حضرت اسماعیل تک توثابت نہ ہوگیا !۔اور یہ کس نے اور کب اورکہاں کہاہے کہ " نسب نامہ کاہونا دلیل برسالت ہے"؟ ہم توصرف یہ عرض کرتے ہیں کہ اس مفروضہ پیش گوئی کے مصداق ہونے کے لئے آنحضرت کے صحیح

نسب نامہ کی ضرورت ہے ۔ جو نبی آپ کی پیش کردہ آیات کا مصداق ہے اس کا نسب نامہ ضرور اس انتہا تک ہونا چاہیے جس سے وہ بنی اسرائیل " کے بھائیوں میں " شامل ہوسکے۔ آپ عیسائیوں کو ناحق الزام دیتے ہیں اور الزام بھی بے ٹھکانے۔ بھلا مسیح کے اس آیت کے مصداق ہونے کے لئے کیا ضرور ہے کہ بی بی مریم صدیقہ کو ہم از نسلِ داؤد ثابت کریں ؟ کیا ہمارے مخاطب نہیں جانتے کہ عیسائیوں اور یہودیوں دونو کا اس امر پر اتفاق ہے کہ الفاظ " ان کے بھائیوں" سے مراد بنی اسرائیل ہیں ۔ اور کیا صحیح العقل شخص نے کبھی انکار کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ناصری بنی اسرائیل سے تھے ؟

پس اگر بفرضِ محال ہم مان بھی لیں کہ الفاظ " تیرے بھائیوں " سے مراد بنی اسماعیل ہی ہیں تو بھی آنحضرت ان آیات کے مصداق نہیں ہوسکتے کیونکہ محمد عربی کا نسب نامہ آپ کو اولادِ اسماعیل ثابت ہی نہیں کرسکتا۔ ہمارے مخاطب اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکتے آنحضرت کا کوئی صحیح نسب نامہ موجود نہیں ہے۔

صحیح بخاری (باب مبعث النبی) میں سلسلہ نسب یوں دیا گیا ہے۔

"محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوے بن غالب بن فہر بن مالک بن نفر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدیر کہ بن الیاس بن مفر نزار بن معد بن عدنان "۔

لیکن اولاً ان ناموں کی صحت اور شجرہ کے اصل ہونے کی کیا دلیل ہے؟

دوم۔ اگر ہم مولوی صاحب کی پاس خاطر اس نسب نامہ کو صحیح مان بھی لیں تو اس بات کا کیا علاج کہ آنحضرت نے خود نہایت صاف الفاظ میں فرمادیا کہ کذب النسا بون الیٰ مافوق عدنان (واقدی) یعنی عدنان سے آگے میرا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں ۔ چنانچہ مسعودی بھی کہتا ہے کہ " نبی نے منع کردیا کہ کوئی میرے سلسلہ نسب کو معد بن عدنان سے آگے بیان نہ کرے"۔ بیہقی اپنے پیر ابوعبداللہ کا قول بیان کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ رسول اللہ کا نسب نامہ عدنان تک تو معتبر ہے مگر اس کے آگے کوئی صحیح سند نہیں ملتی ۔ سرسید احمد بھی لکھتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کے نسب نامہ کی نسبت کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تمام روایتیں محض غلط اور بے سند ہیں اور ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں (خطبہ نہم صفحہ ۵۵۷، ۵۵۹)۔

پس اگر رعایتاً اس نسب نامہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تو ہم کو صرف اکیس نام ملتے ہیں ۔ اگر اس سلسلہ میں فرزند کی پیدائش کے وقت ہر بزرگ کی اوسط عمر تیس سال ہو تو عدنان تک صرف ۶۳۰ چھ سو تیس سال ہوئے ۔ حضرت محمد ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے ۔ عدنان کا زمانہ قبل مسیح پہلی صدی ہوا ۔ حضرت ابراہیم مسیح سے دوہزار سال سے بھی پہلے تھے پس اس حساب سے کم از کم دوہزار سال تک آنحضرت کا صحیح نسب نامہ مفقود ہے۔ چنانچہ سرسید مرحوم

کو اقبال ہے کہ " مورخین کو نسب نامہ کی تحقیق میں مجبوری ہوئی تو انہوں نے اپنی کتابوں کو رونق دینے کے لئے جھوٹی روایتیں خود گھڑلیں یا افوہاً سنی سنائی اپنے مطلب کے موافق سمجھ کر بلا تحقیق مندرج کرلیں۔ اول تو نسب ناموں کو اسماعیل تک سمجھنا غلطی ہے۔ دوسرے یہ نسب نامے خود بھی غلط ہیں ۔(خطبہ نہم)۔ سرسید کے مطابق دونوں ولادتوں میں چوبیس سو چھہتیر(۲۴۷۶) برس کا فاصلہ ہے اور اسماعیل سے (ستر ۷۰) پشتیں گذرتی ہیں (خطبات صفحہ ۵۶۳)۔

ہم حیران ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی کس طرح بلادلیل حضرت محمد کو فرزندِ اسماعیل گردان سکتے ہیں ؟ اور اگر وہ خود بلادلیل اس مفروضہ کو مان لیں لیکن تورات وانجیل والوں کے روبرو تورات شریف کی بناء پر وہ آپ کو کس طرح بنی اسماعیل ثابت کرسکتے ہیں ؟ اور اگر یہ ثابت کر بھی سکیں تو وہ کس دلیل سے محمد عربی کو آیات زیر بحث کے تحت لاکر آپ کی نبوت ثابت کرسکتے ہیں ؟ کیونکہ جہان میں چاہے کوئی نبی تورات شریف کو ان آیات کا مصداق ہو لیکن حضرت محمد عربی ان کے مصداق نہیں ہوسکتے۔

فصل دوم

الفاظ " تیرے ہی درمیان سے " کا مفہوم

آیات زیر بحث میں آیا ہے " خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند نبی برپا کرتا رہیگا تم اس کی سننا"(استثنا ۱۸ : ۱۵)۔

الفاظ توضیحی ہیں

گذشتہ فصل میں ہم بتلاچکے ہیں کہ الفاظ تیرے بھائیوں میں سے " جو اس آیہ زیر بحث میں وارد ہوئے ہیں)کا مطلب قبائل بنی اسرائیل ہے جس سے خدا اپنے کرم وفضل سے قوم کی ہدایت کے لئے نبی برپا کرتا رہیگا۔ اس آیہ شریفہ میں مزید تاکید اور توضیح کے الفاظ " تیرے ہی درمیان سے " استعمال ہوئے ہیں تاکہ بنی اسرائیل کے ہر کہ دمہ پر ظاہر ہوجائے کہ یہ مامومن اللہ انبیاء مشرکانہ اقوام میں سے نہیں ہونگے جن سے فالگیر اور شگون نکالنے والے، افسون گیر ، جادوگیر ، منتر پڑھنے والے ۔ جنات کے آشنا۔ رمال اور ارواح کے تسخیر کرنے والے پیدا ہوتے تھے (آیت ۱۴ ۔ یسعیاہ ۲: ٦ وغیرہ) بلکہ خدا کے یہ فرستادے انبیاء اللہ ہوں گے جو بنی اسرائیل کے قبائل میں سے اور خاص قوم یہود کے درمیان سے ہی پیدا ہوں گے۔

اگر الفاظ " تیرے ہی درمیان سے " متن میں نہ بھی ہوتے (جس طرح وہ آیت ۱۸ میں وارد نہیں ہوئے) تو اصطلاح " تیرے بھائیوں میں سے " کے عام رواج کی وجہ سے تعینِ مطلب ومفہوم میں ایک ذرہ بھر فرق نہ پڑتا۔ پس جملہ " تیرے ہی درمیان سے " محض تاکید یہ ہے اس کا ہونا " تیرے بھائیوں " پر زیادہ زور دیتا ہے گو اس کا نہ ہونا اصطلاح کے اصل معنوں کو کوئی وسعت نہیں دیتا۔ دونوں جملے " تیرے بھائیوں میں سے " اور " تیرے ہی درمیان سے " بالکل ہم معنی اور مترادف ہیں۔ چنانچہ جیسا ہم گذشتہ فصل میں ذکر کرآئے ہیں ۔ بجنسہ یہ محاورہ اس معنی میں اسی کتاب استثنا ۱۵ : ۷ میں آیا ہے " اگر تمہارے درمیان تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مفلس ہو"۔

الفاظ کی صحت اور اصلیت

آیہ زیر بحث میں جملہ " تیرے ہی درمیان " سے اس طور پر وارد ہوا ہے کہ کوئی ناواقف شخص بھی جو اصطلاح تورات کو نہ جانتا ہو "تیرے بھائیوں " کو کسی غیر اسرائیلی پر چسپاں کرنے سے قطعی رک جاتا ہے۔ اس لئے مولوی صاحب جملہ " تیرے ہی درمیان سے " کی اصلیت پر شبہ کرکے اپنی خود ساختہ تاویل کو چند قدم چلانے کے واسطے ان الفاظ کو متن سے خارج کرنا چاہتے ہیں مگر ہم کھلا چکے ہیں کہ یہ جملہ متن میں ہو یا نہ ہو جملہ " تمہارے بھائیوں میں سے " کا مفہوم کسی طرح متنازعہ ہو کر کسی غیر اسرائیلی پر چسپاں نہیں ہوسکتا۔

لیکن الفاظ " تیرے ہی درمیان سے " کی صحت واصلیت کی نسب بھی ہم مولوی صاحب کا اطمینان کردینا چاہتے ہیں ۔ مولوی صاحب آیت ۱۵ تا ۱۸ ۔ کی عبارت کی نسبت فرماتے ہیں : "حضرت موسیٰ اور خداوند تعالیٰ کے کلام میں دو اختلاف پائے جاتے ہیں ۔ خدا کے کلام میں ضمیر جمع غائب ہے اور موسیٰ کے کلام میں ضمیر واحد مخاطب ۔خدا کے کلام میں " تیرے درمیان " کا جملہ نہیں ہے۔ موسیٰ کے کلام میں " تیرے درمیان " کا جملہ ہے"۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت موسیٰ خدا کے کلام کے ملہم مفسر تھے۔ آیت ۱۵ میں انہوں نے اس طور سے خدا کا کلام بنی اسرائیل سے بیان کیا جس طور کے خدا نے ان سے بنی اسرائیل کی نسبت فرمایا تھا اور پھر انہوں نے بنی اسرائیل کو اس طور سے سمجھایا جس طور وہ خود اس کو سمجھنے او رمولوی صاحب کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے جس طرح کہ حضرت موسیٰ خود سمجھتے تھے۔

اگر مولوی صاحب کو صرف لفظ کی نسبت اصرار ہے تو وہ اس رسالہ کے ورق پلٹ کر باب سوم کے شروع میں عبرانی عبارت کو ملاحظہ کرکے اپنی تسلی کرسکتے ہیں کہ لفظ " مقرب " دونوں جگہ وارد ہوا ہے جس کے معنی " درمیان " کے ہیں۔ آیت ۱۸ میں عبارت کا ترجمہ ہے " ان کے بھائیوں کے درمیان سے " اور آیت ۱۵ میں چونکہ عبرانی لفظ " مے " بمعنی سے " موجود

ہے لہذا عبارت کا ترجمہ تیرے بھائیوں میں سے "تیرے درمیان سے "ہوا۔ پس لفظ" درمیان" دونوں جگہ موجود ہے۔

لیکن مولوی صاحب کہتے ہیں کہ "ہم کو اس جملہ" تیرے درمیان سے" پر کلام ہے کہ صحیح ہے یا نہیں ۔ اس کے غلط ہونے کے بارے میں ان دلائل ذیل میں لکھے جاتے ہیں(۱) پطرس حواری نے اس موسیٰ والے فقرے کو اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔ اس میں بھی یہ جملہ" تیرے درمیان" نہیں ہے۔ چنانچہ اعمال کے ۳باب ۲۲آیت میں ہے " موسیٰ نے کہا خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا نبی پیدا کریگا تم اس کی سننا"(۲) استفنس حواری نے بھی موسیٰ والے فقرے کو اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔اس میں بھی یہ جملہ" تیرے درمیان" کا نہیں ہے (اعمال ۷: ۲۷) ۔(۳) توریت مقدس کا سب سے پرانا ترجمہ یونانی سیپٹواجنٹ کہلاتاہے اس میں بھی پندرھویں آیت کے ترجمہ میں یہ جملہ" تیرے درمیان" کا نہیں ہے ۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ یونانی ترجمہ ایک پرانا اور معتبر ترجمہ ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ مسیح سے تقریباً تین سو برس پیشتر تک یہ فقرہ توریت میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس ترجمہ کی مختصر کیفیت امتیاز وصحت کی یہ ہے کہ دو سوچھیاسی برس قبل مسیح کے سکندریہ میں یہودی ربیوں کی صدرجماعت کے ستر آدمیوں کی شرکت واہتمام سے یہ ترجمہ ہوا تھا اور مدت تک اہل کتاب کی یہ رائے تھی کہ یہ ترجمہ الہام سے ہوا ہے۔ حواریوں نے اپنی تصنیفات میں اکثر اسی ترجمہ سے نقل اوراقتباس کیاہے بلکہ اصل عبری کی مخالفت کرکے اس کو ترجیح دی ہے"(صفحہ ۹۰۸)۔

جواباً عرض ہے کہ:

جناب مولوی صاحب کی یہ تین دلیلیں دراصل ایک ہی دلیل ہے نہ کہ تین ۔ جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ سپٹواجنٹ یونانی ترجمہ میں الفاظ " تیرے درمیان سے" نہیں ہیں۔ پہلی دولیلیں یعنی مقدس پطرس اور مقدس استفنس کے اقتباسات جدادلیلیں یعنی مقدس پطرس اور مقدس استفنس کے اقتباسات ، عبرانی تورات کے الگ الگ ترجموں کے نہیں ہیں بلکہ دونوں اقتباسات یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ کے ہی ہیں جو زبانی تقریروں میں (نہ کہ الگ تصنیفات میں!) حافظے سے کئے گئے تھے آنخداوند کے رسولوں کو یونانی میں لکھنا پڑا تھا اورچونکہ یونانی ترجمہ مقبول اہلِ یہود یہی سیپٹواجنٹ تھا۔ پس انہوں نے یہود کے مقابل یونانی کا وہی ترجمہ پیش کیا جس کے وہ خود معتقد تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ " حواریوں نے اپنی تصنیفات میں اکثر اس ترجمہ سے نقل اور اقتباس کیا ہے۔ " حواریوں کویونانی میں کوئی نیا ترجمہ پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

سیپٹواجنٹ کی حقیقت

مولوی صاحب کی دلیل میں بڑا سقم یہ ہے کہ انہوں نے یہ فرض کرلیاہے کہ یونانی ترجمہ نہ صرف صحیح ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ لفظی ترجمہ ہے حتیٰ کہ اگرکسی عبرانی لفظ کے لئے یونانی لفظ ترجمہ میں نہ ہو تو یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ لفظ اصل عبرانی میں تھاہی نہیں۔مگر یہ مفروضہ بالکل باطل ہے۔ ہم ناظرین کی توجہ اپنے رسالہ " صحتِ کتب مقدسہ " کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ جہاں اس ترجمہ کی اصل اہمیت کا بیان کیاہے جس سے ظاہر ہوجاتاہے کہ یہ یونانی ترجمہ نہ تو اس صحت وپایہ کا ہے اور نہ وہ لفظی ترجمہ ہے ، ایسا کہ ہر عبرانی لفظ کے لئے یونانی لفظ استعمال ہوا ہو۔ حقیقت میں یہ ترجمہ مرادی نفس مضمون کو ادا کرتاہے اوراس کے یونانی ترجمہ میں اکثر مقامات پر اصل عبرانی متن کو توضیح اور تشریح کی خاطر الفاظ اور فقرے زائد کئے گئے ہیں اور بہت سے الفاظ جو بطور مترادف محض حسنِ عبارتِ عبرانی کے آئے ہیں۔ لیکن مضمون فہمی میں ممدومعاون نہیں ہیں وہ بالکل یونانی ترجمہ میں چھوڑدیئے گئے ہیں۔ یعنی یونانی ترجمہ قرآن کے بعض اردو ترجموں کی مانند افراطِ تفریط سے خالی نہیں۔ خود مولوی صاحب کے اس جملہ سے کہ " حواریوں نے اکثر عبری سے مخالفت کرکے اس ترجمہ کو ترجیح دی ہے" یہی مستنبط ہوتاہے کہ یہ ترجمہ بعض مقامات میں اصل عبری کے خلاف ہے ۔پس اس کے اعتبار پر عبرانی متن پر شبہ نہیں ہوسکتا بالخصوص اس جگہ کیونکہ اس کی اصل شکل میں جملہ" تیرے ہی درمیان سے" کو یونانی ترجمہ میں لفظی نہیں محض اس غرض سے ترک کردیا ہے کہ وہ جملہ مترادف " تیرے ہی بھائیوں میں سے "کا تھا۔ خود مترجم کے نزدیک ترجمہ کے اغراض کے لئے ضروری نہیں تھا۔

اب رہی وہ روایتی تعظیم جواس پرانے ترجمے کی ہوتی آئی تھی۔ وہ بھی کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ اس تعظیم کی اصل وجہ یہ تھی کہ یونانی یعنی عام زبان میں وہ سب سے پہلا ترجمہ تھا جس طرح حضرت شاہ عبد القادر کا ترجمہ قرآن اردو کا پہلا ترجمہ تھا جو ۱۷۹۰ء میں کیا گیا تھا۔ اس یونانی ترجمہ کے مقابل اور کوئی ترجمہ موجود نہیں تھا۔ لوگوں میں جو عبرانی سے عموماً ناواقف تھے اس کا رواج ہوا اوراس رواج نے اس کی تعظیم بڑھادی۔ اورمابعد اس تعظیم میں اضافہ ہوا اورپھر مبالغہ ہوا حتیٰ کہ اس کے لئے قصے گھڑے گئے۔ چنانچہ یہ روایت کہ ستر (۷۰) جید علماء نے ستر روز میں الہام سے اس کا ترجمہ کیا محض خام خیالی ہے اور خوش اعتقادی کی محض ایک مثال ہے۔کیونکہ ہمارے مخاطب بھی مترجمین کے الہام کےقائل نہیں ہوں گے ۔ ایسی روائتیں اس کی نسبت مبالغہ ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ جب تحقیق کی گئی توخام خیالی ختم ہوگئی اور اصلیت سے آگاہی ہوئی اور ترجمہ کی اصل حقیقت اوراہمیت سب پر واضح ہوگئی۔

پس مولوی صاحب کی تین دلیلوں والی دلیل دراصل ان کے دعوےٰ کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس سے عبرانی متن کے اس فقرہ کی زیر بحث کی صحت اوراصلیت پر کوئی شبہ نہیں پڑسکتا۔

ہم معترض سے پوچھتے ہیں کہ اگر بالفرضِ محال یہ فقرہ " تیرے ہی درمیان سے " اصل عبرانی میں موجود نہ تھا تو بعد میں کیسے آیا؟ کیونکہ کوئی عبرانی نسخہ ایسا نہیں جس میں یہ جملہ آیت ۱۵ میں نہ ہو جس سے ظاہر ہے کہ یہ فقرہ وہاں ہمیشہ موجود تھا۔ ہاں اگر ہمارے مخاطب اس کا پتہ بتادیں کہ بعد ظہور حضرت محمد صاحب یہ فقرہ توریت شریف میں بڑھ گیا لیکن قبل ظہور نہ تھا تو اس قسم کی مضحکہ خیز بات ان کے جاہل ہم خیال مان لینے کو تیار ہوجائیں گے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایکا کرکے آنحضرت کو ابراہیمی ترکہ نبوت سے محروم کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہوگا۔ لیکن پھر وہ اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ حضرت محمد کی پیدائش سے صدیوں پہلے سب نسخہ جات عبرانی میں یہ فقرہ" تیرے ہی درمیان سے " پایا جاتا ہے ۔ علاوہ اس جیسا ہم ثابت کرچکے ہیں کہ مجرداً جملہ تمہارے بھائیوں میں سے " بلاشرکتِ جملہ تیرے ہی درمیان سے" بنی موعود کو اسرائیلی ثابت کرتاہے۔

دیگر قدیم ترجموں میں ان الفاظ کی موجودگی

جیسا ہم اوپر بتلاچکے ہیں کہ ہر قدیم عبرانی نسخہ میں جملہ "تیرے ہی درمیان " کا موجود ہونا اس کی صحت اوراصلیت کو ثابت کررہاہے کیونکہ اصل متن عبرانی ہے جس پر کسی قدیم یا جدید ترجمہ کا اختلاف شبہ نہیں ڈال سکتا۔ لیکن اپنے مخاطب کی تشفی کی یہ جملہ اصل عبرانی کے مطابق بلکہ لفظاً مطابق ہیں جن میں یہ جملہ موجود ہے۔ یہ سب ترجمے آنحضرت کے ظہور سے صدیوں پیشتر کے ہیں۔ چنانچہ ہم مولوی صاحب کی تین دلیلوں کی رعایت میں (جو ایک ہی یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ پر مبنی ہیں) اپنی تین دلیلیں تین مختلف ترجموں سے اور مختلف قسموں کے ترجموں سے اور مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں کے ترجموں سے پیش کرتے ہیں :

کلدی تارگم انکلوس

پہلی قسم کا ترجمہ مشہور کلدی تارگم انکلوس سیدنا مسیح کے زمانہ میں رائج تھا۔ تورات شریف کا یہ ترجمہ مستند اور صحیح لفظی ترجمہ ہے جو یہود میں ایسی تعظیم سے دیکھا جاتا تھا کہ سولھویں صدی تک برابر عبرانی متن کے ساتھ ساتھ یہودی عبادت گاہوں میں پڑھا جاتا تھا۔ اس ترجمہ میں یہ آیت لفظ بلفظ عبرانی متن کے مطابق ہے اورجملہ " تیرے ہی درمیان سے " اس میں موجود

ہے اورظاہر کررہاہے کہ عبرانی متن میں یہ الفاظ مابعد داخل نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ عبرانی متن کا حصہ تھے۔
سپیٹواجنٹ کی تعظیم اس تارگم کے برابر کبھی بھی نہیں کی گئی ۔درحقیقت اہل یہود میں عبرانی تورات کے بعد اسی کا رتبہ سب سے بڑامانا گیاہے۔

ترجمہ پشیتو

دوسرا ترجمہ سریانی زبان کا مشہور ومعروف قدیم ترجمہ پشیتو (بمعنی لفظی۔سادہ یامعرا) ہے جو دوسری صدی مسیحی کے اوائل میں کیا گیا۔ اس میں بھی استثنا کی کتاب کی زیرِ بحث آیات لفظ بلفظ عبرانی متن کے مطابق ہیں اور جملہ " تیرے ہی درمیان سے " اس میں موجود ہے۔

ترجمہ ولگیٹ

تیسرا ترجمہ لاطینی زبان کا ترجمہ ولگیٹ ہے جس کو چوتھی صدی عیسوی میں مقدس جیروم نے قدیم ترین لاطینی ترجموں کی نظر ثانی کرکے مرتب کیا۔ اس میں بھی جملہ " تیرے ہی درمیان سے " لاطینی زبان میں موجود ہے۔ اب اس سے بڑھ کر مولوی صاحب " جملہ تیرے ہی درمیان سے " کی اصلیت کی اور کیا دلیل چاہتے ہیں ؟ یہاں تین مختلف ترجمے باہم لفظاً عبرانی متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

ہم اپنی دلیلوں کی صحتِ کی تائید میں سرسید احمد مرحوم جیسے محقق کو بھی پیش کردیتے ہیں ۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف " خطباتِ احمدیہ" کے اس حصہ میں جس میں انہوں نے نبوتِ محمدیہ پر پیشین گوئیوں سے استدلال کیاہے اور(جہاں سے ہمارے مخاطب نے بھی اپنی بحث کے بعض خیالات اخذ کئے ہیں) اس آیت زیر بحث کے دوران میں جملہ " تیرے ہی درمیان سے " کی صحت اور اصلیت پر کوئی شبہ نہیں ڈالا۔ حالانکہ وہ اس بارے میں ایک اہلِ غرض تھے۔ یہ کیوں ؟ محض اس لئے کہ وہ ان تمام پہلوؤں سے پوری طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ اس جملہ کی صحت اور اصلیت پر شبہ نہیں پڑسکتا۔
پس ظاہر ہے کہ نبی موعود کی تلاش میں بنی اسرائیل کے خاندانی دائرہ سے باہر جانا سراسر نادانی ہے۔ حضرت موسیٰ نے پچھلے لوگوں کو نبی اور نبوت کے مفہوم کی نسبت شش وپنج میں نہیں چھوڑا بلکہ ایسے واضح الفاظ استعمال کئے جن کی نسبت دھوکا ہونا محال ہے۔
علاوہ ازیں انبیائے اکبرو اصغر کی تمام کتابیں مولوی صاحب کے مفروضہ کو باطل قرار دیتی ہیں۔ اگر ہمارے مخاطب کتابِ مقدس کا سطحی مطالعہ بھی کرتے تو ان پر یہ امر اظہر من الشمس ہوجاتا کہ اگرمامور من اللہ انبیاء کا سلسلہ بنی اسرائیل کے دائرہ کے باہر ہوتا تو ان کتب مقدسہ کا اصل ومدعا اورمنشاء ہی فوت ہوجاتا ہے۔ پس ہماری دلائل دراصل کسی ایک آیت یا آیت کے حصہ پر

یا کسی آیت کی تاویل و تفسیر پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیاد کتابِ مقدس کے اصل مقصود اور علتِ غائی کی محکم چٹان پر قائم ہے۔

فصل سوم

زیرِ بحث آیت کے دیگر الفاظ

لفظ" نابی" کا مطلب

ہم باب دوم میں بتلاچکے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں لفظ" نبی " سے کوئی خاص نبی مراد نہیں جو حضرت موسیٰ کے ہزاروں برس بعد آنے والاہو۔اس آیت میں لفظ" نبی" اسم معرفہ نہیں ہے اور نہ یہ لفظ اسم معرفہ کی مختلف اقسام میں سے ہے۔ یہ لفظ اسم نکرہ ہے اورایک عام نام ہے جس کا اطلاق ان تمام انبیاء اللہ پر ہوتا ہے جو مختلف زمانوں میں خدا کے فرستادہ مرسل بن کر قوم اسرائیل کی ہدایت کی خاطر مبعوث ہوئے تھے۔

عبرانی لفظ" نابی" کا صحیح اردو ترجمہ " ایک نبی " نہیں ہے بلکہ صرف" نبی" ہے۔ اردو ترجمہ "ایک نبی " سے یہ احتمال رہتاہے کہ شاید اس لفظ سے مراد کوئی خاص ایک نبی ہو لیکن فارسی اور عربی ترجمے اس احتمال کو مٹادیتے ہیں۔ چنانچہ ان ترجموں میں صرف لفظ" نبی" آیاہے جو اسم عام ہے اگر یہ اسم خاص ہوتا اور کسی خاص نبی کے لئے آتا تو عبرانی ترجمہ میں اس لفظ سے پہلے" ال" ہوتا جو اس اسم عام کو اسم خاص کردیتا۔ عبرانی متن میں بھی اگر کسی خاص نبی کا ذکر ہوتا تو لفظ" نابی" سے پہلے عبرانی لفظ" احد" وارد ہوتاہے جس طرح ۱ سلاطین ۲۰: ۱۳ میں آیاہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں لفظ" نبی" اسم نکرہ ہے جو ان تمام انبیاء اللہ کے لئے آیاہے جو حضرت موسیٰ کے بعد کے زمانہ سے لے کر حضرت ابن اللہ کے زمانہ تک اہل یہود میں برپا ہوئے۔

پس سیاقِ عبارت اور عبرانی زبان کی لغت ہماری تاویل کی معاون ہے۔ کتابِ مقدس کے دیگر مقامات سے بھی یہ ثابت ہے کہ لفظ" نبی" سے یہاں مراد " سلسلہ انبیاء " ہے کیونکہ کتابِ مقدس میں عموماً صیغہ واحد ،صیغہ جمع کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً اسی کتاب استثنا ۱۷: ۱۵ میں " بادشاہ" سے مراد کوئی خاص بادشاہ نہیں ہے بلکہ اسم نکرہ کا اطلاق شاہانِ یہوداہ اورشاہانِ اسرائیل کے سلسلے کے تمام بادشاہوں پر ہوتاہے جو قومِ یہود کی تاریخ میں حکمران رہے۔ کتابِ مقدس کا یہ ایک عام محاورہ ہے چنانچہ یہی لفظ" نبی " سلسلہ انبیاء کے لئے اور مقامات میں بھی وارد ہواہے۔ مثلاً حضرت ہوسیع فرماتاہے " ایک نبی (حضرت موسیٰ) کے وسیلہ سے خداوند اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اور نبی ہی کے وسیلے سے (یعنی سلسلہ انبیاء کےوسیلے سے) وہ (یعنی بنی اسرائیل)محفوظ رہا"(۱۲ : ۱۳)خود مقام زیرِ بحث کی ۲۰ اور ۲۲ آیات میں یہی لفظ " نبی" کسی ایک جھوٹے نبی کے لئے استعمال نہیں ہوا بلکہ وہ اسم

نکرہ یا اسم عام ہے جس کا اطلاق کاذب نبیوں کے تمام طبقہ پر ہواہے۔ چونکہ اس تمام مقام میں سچے اور جھوٹے نبیوں میں مقابلہ اور امتیاز مقصود ہے پس ظاہر ہے کہ اگر ۲۰ اور ۲۲ آیات میں لفظ" نبی" ایک قسم کے گروہ انبیاء کے لئے آیاہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک آیت میں جھوٹے انبیاء کے گروہ کا ذکرہے اور دوسری آیت میں سچے انبیاء کے طبقہ کا ذکر ہے۔

مقدس پطرس رسول بھی اپنی تقریر میں اس لفظ" نبی" سے مراد سلسلہ انبیاء لے کر واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ" سیموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا" (اعمال ۳: ۲۴)۔

مشہور مصلح کیلون (Calvin) بھی کہتا ہے کہ یہاں لفظ" نبی" سے مراد سلسلہ انبیاء ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ حال کے تمام قابل مترجم مثلاً ڈاکٹر مافٹ(Moffat) اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

"Will raise up prophet after prophet".

چونکہ ہم باب دوم میں اس لفظ پر دیگر پہلوؤں سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ لہذا ہم اس بحث کو یہاں طول نہیں دیتے۔ بہر حال انصاف پسند ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اس آیہ شریفہ میں لفظ" نبی" کا اطلاق کسی صورت میں بھی حضرت محمد پر نہیں ہوسکتا۔

[1] Quoted by Perowne in Zechariah (Century Bible)p.09

لفظ یاقیم کا مطلب

آیہ زیر بحث میں عبرانی لفظ" یاقیم" آیا ہے جو ایک ایسا فعل ہے جس کا تعلق زمانہ استمراری یا زمانہ تمام سے ہے۔ پس اس لفاظ کا صحیح اردو ترجمہ یہ ہے "کھڑا یا برپا کرتا رہیگا"۔ عبرانی زبان کے مسلم الثبوت استاد مرحوم پروفیسر ڈرائیور (Driver) اپنی مشہور عالم تصنیف میں نہایت واضح طورپر اس نکتہ پر مبسوط بحث کرتے ہیں[2]۔

پروفیسر لیک (Kirsop Lake) نے بھی ان الفاظ پر نہایت عالمانہ بحث کی ہے[3]۔ اور یہ بھی ہمارے ترجمہ کی تائید کرتی ہے۔

اس صحیح اردو ترجمہ میں اس امر کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ فع"یاقیم" کا زمانہ مستقبل کے کسی خاص دور سے تعلق ہو۔چہ جائیکہ اس کا تعین زمانہ موسوی کے دو ہزار سال بعد کے عرصہ سے کیا جائے۔ اس کے برعکس اس فعل کا زمانہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ہی شروع ہوجاتاہے اور بنی اسرائیل کی تاریخ کے ہر دور اورزمانہ سے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت عاموس نبی کی کتاب میں آیا ہے۔" میں (خدا) نے تمہارے بیٹوں میں سے نبی اور تمہارے جوانوں میں سے نذیر برپاکئے۔ اے بنی اسرائیل کیا یہ سچ نہیں؟"(۲: ۱۱)۔یہاں بھی بعینہ یہی فعل اورمحاورہ آیا ہے پھر ۲ تواریخ کا مصنف کہتاہے کہ " خداوند

[2] Deuteronomy (International Critical Commentary)
[3] The Beginnings of Christianity vol.i.pp.404.408.

ان کے باپ دادا کے خدا نے اپنے پیغمبروں کو ان (بنی اسرائیل) کے پاس بروقت بھیج بھیج کر پیغام بھیجا کیونکہ اسے اپنے لوگوں اور مسکن پر ترس آتا تھا۔لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں کی ہنسی اڑائی یہاں تک کہ خداوند کا غضب ان پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا "(۳۶: ۱۵ نیز دیکھو یرمیاہ ۷: ۱۳تا ۲۵۔ ۱۱: ۷۔ ۲۵: ۳تا ۴۔ ۲۶: ۵۔ ۲۹: ۱۹۔ ۳۲: ۳۳۔ ۳۵: ۱۵۔ ۴۴: ۴وغیرہ)ان اور دیگر مقامات میں خدا کے اس ارشاد کی تکمیل کی جانب اشارہ ہے جو استشنا ۱۸: ۱۵ میں ہے کہ خدا بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی برپا کرتا رہے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ عبرانی فعل اس آیت کا حضرت محمد پراطلاق کرنے کی قطعی خلاف ہے۔

آیت کا اصل مطلب

اس آیہ شریفہ کے مطابق خدا اپنے انبیاء کو " تیرے لئے" یعنی خاص بنی اسرائیل کی قوم کے لئے جو حضرت موسیٰ کے مخاطب تھے مبعوث کریگا۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت رسول عربی نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ آپ خاص بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنے آپ کو نبی مخصوص برائے اہل عرب یعنی (غیر اسرائیلی) گردانا۔ چنانچہ جب کفار نے اعتراض کیا کہ انبیائے سابقین عبرانی بولتے تھے اوران کا کلام عبرانی میں ہوتا تھا کہ آپ ایک غیر عبرانی عربی زبان بولتے ہیں ۔ پس آپ کا دعویٰ نبوت باطل ہے تو آپ نے جواب دیا " ہم (خدا) نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر بولی بولتا اپنی قوم کی تاکہ ان کے آگے کھول سنائے"(ابراہیم ع ۱)۔ یعنی انبیائے بنی اسرائیل عبرانی بولتے تھے ۔ کیونکہ وہ عبرانیوں کے لئے نبی تھے۔میں غیر عبرانی یعنی عرب کے لئے نبی ہوں۔ پس عربی زبان بولتا ہوں۔ پھر خدا واضح طور پر آنحضرت کو قرآن میں حکم دیتا ہے" تو ڈر سناوے ایک قوم کو(نہ کہ تمام اقوام کو)جن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ (یعنی اہل عرب جن کے پاس کوئی نبی کبھی نہیں آیا برخلاف بنی اسرائیل کے جن میں کل انبیاء مبعوث ہوئے) تجھ سے پہلے ۔شاید وہ یادرکھیں (قصص ع ۵) چنانچہ اسی کے مطابق قرآن کی نسبت یہ دعوےٰ ہے" یہ کتاب ایک برکت ہے جو ہم نے اتاری سوائے (اہل عرب)اس پر چلو اس واسطے کہ کبھی کہو کہ کتاب جو اتری تھی سودوہی فرقوں (یعنی یہود و نصاریٰ) پر ہم سے پہلے اورہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی" (انعام ع ۲۰) پھر لکھاہے کہ" اے محمد)۔ ہم نے تجھ پر عربی زبان کا قرآن اتارا تاکہ تو بڑے گاؤں (مکہ) کو ڈر سنائے اور اس کے آس پاس والوں کو (شوریٰ ع ۱)۔

آیاتِ زیر بحث میں نہ صرف پندرھویں آیت کے الفاظ "تیرے لئے" سے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب بنی اسرائیل میں بلکہ آیت ۱۸ کے الفاظ" وہ نبی" ان سے کہیگا " سے بھی یہی ظاہر ہے کہ ان انبیاء اللہ کے مخاطب بنی اسرائیل ہوں گے نہ کہ کوئی دوسری قوم۔ حضرت محمد عربی کی تاریخ اور دعوےٰ اس آیہ شریفہ کے منشاء کےمطابق نہیں ہیں چنانچہ قرآن میں آیا ہے " اللہ نے اٹھایا امیوں سے ایک رسول جو انہیں میں سے ہے جو ان کے پاس اس (قرآن) کی آیات پڑھتا ہے" (جمعہ ع ۱) یہ قرآنی محاورہ" اُمی" ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اہل کتاب نہیں ہیں اور قرآن نے اس لفظ کا اطلاق اہل عرب پر کیا ہے کیونکہ وہ اہل کتاب نہیں تھے اور کتب سماوی نہیں رکھتے تھے اور اس قرآنی آیت کے مطابق اُمی رسول (محمد) امیوں(غیر یہود) کے لئے بھیجا گیا جس کے مخاطب اُمی (اہل عرب) ہوں گے۔

پس ظاہر ہے کہ حضرت محمد عربی میں آیہ زیر بحث کی یہ شرط بھی فوت ہوتی ہے کیونکہ آپ اس آیہ شریفہ کےمطابق نہ تو اسرائیلی تھے ۔ نہ اسرائیلیوں کے درمیان سے تھے۔ نہ اسرائیلیوں کےواسطے مبعوث ہوئے تھے اور نہ اسرائیلی آپ کے مخاطب تھے۔ اس کے برعکس آپ اُمی تھے اُمیوں میں سے تھے۔اُمیوں کےواسطے مبعوث ہوئے تھے۔ اور اُمیوں ہی سے مخاطب ہوئے تھے۔ حق پسند ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ جب تورات شریف کی آیت کی ہر شرط ایک ایک کرکے آنحضرت کی ذات میں فوت ہوتی ہے تو اس آیت کا اطلاق آپ کی ذات پر کس طرح ہوسکتا ہے؟

الفاظ" میری مانند" کا مطلب

چونکہ ہم اس بحث کو جامع بنانا چاہتے ہیں ہم لگے ہاتھوں اسلامی مناظرین کی ان تمام دلائل کی بھی تنقید کئے دیتے ہیں جن کو مولوی صاحب نے اپنے رسالہ میں پیش نہیں کیاتا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے فلاں مولوی صاحب کے فلاں نکتہ کا جواب عیسائیوں کی طرف سے نہیں دیا گیا۔

بعض اسلامی مناظرین الفاظ" میری مانند" کا غلط مفہوم سمجھ کہ ان کا اطلاق حضرت محمد پر کرکے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد میں مماثلت ہے کیونکہ دونوں بتُ پرستوں میں ظاہر ہوئے۔ دونوں کے رشتہ داروں نے پہلے ان کو رد کیا اورپھر قبول کیا۔دونوشادی شدہ تھے۔ دونوں کےہاں اولاد پیدا ہوئی ۔ دونوں اپنے دشمنوں سے بھاگے ایک نے مدیان کو اوردوسرے نے مدینہ کو ہجرت کی ۔ دونوں نے کفار سے جنگ کی ۔ دونوں کے پیروان کی موت کے بعد ارض مقدس میں داخل ہوئے ۔ دونوں نے خون کئے ۔ دونوں نے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کی ۔ دونوں کے نام حرف میم سے شروع ہوتے ہیں۔ دونوں صاحب غضب، حکمران، فاتح اور کفار سے انتقام لینے والے مجاہد اور صاحبِ شریعت تھے (سیرۃ النبیٰ ۔ خطبات وغیرہ)۔

مماثلت کی حقیقت

علم منطق وفلسفہ کا مبتدی بھی ان مضحکہ خیز دلائل پر ہنسیگا۔ مذکورہ بالا تمام باتیں محض عارضی، وقتی اور سطحی ہیں جو تمثیلی استدلال اور استقراء کی بنیاد نہیں ہوسکتیں۔ اس قسم کی پیش کردہ مشابہت سے ہم کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے۔ اگرمشابہت کا یہی مطلب ہے تو اس قسم کی باتیں مسلیمہ کذاب اور باقی جھوٹے نبیوں کو بھی صادق ثابت کرنے میں بڑے کام کی ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا نکات موضوع زیر بحث کو ثابت نہیں کرسکتے۔ اس قسم کے استدلال کے لئے مماثلت کا ہونا ان باتوں میں لازمی ہے جو ایسی ممتاز ہوں کہ جزو لاینفک ہوں اور جن سے لازمی طور پر صحیح نتیجہ نکل سکے۔

اسلامی مناظرین تاحال اس قسم کی منتظی مشابہت اور مماثلت دکھلانے سے قاصر رہے ہیں جس سے لازمی طورپر یہ نتیجہ اخذ ہوسکے کہ حضرت موسیٰ اورحضرت محمد ایک دوسرے کی " مانند" ہیں۔ اگر یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی " مانند" ہوتے تو قرآن جوہر بات کو مفصل بیان کرنے کا مدعی ہے یہ مشابہت ضرور بیان کردیتا ۔لیکن قرآن کے کسی ایک مقام میں بھی حضرت محمد کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ نہیں دی گئی ۔ بلکہ تمام قرآن کو چھان مارو تم کو کسی جگہ بھی یہ نہیں ملیگا کہ ان مناظرین کوپیش کردہ آیت کی ایک پیشین گوئی ہے جوآنحضرت کے حق میں ہے۔ اگر یہ آیہ زیر بحث محمد عربی کی پیشین گوئی ہوتی تو قرآن میں اس کا ذکر کیوں نہ آتا؟ یہ معنی خیز خاموشی مولوی صاحبان کے دعوےٰ کی زبانِ حال سے تردید کررہی ہے اور سید مرحوم کے الفاظ کو ہیچ ثابت کررہی ہے کہ مولوی صاحبان نے اس قسم کی سیدھی آیات کو " پہیلی اورمعمے" بنادیا ہے۔

اگر مولوی صاحبان جیسی پیش کردہ مماثلت کی عارضی باتیں ہی الفاظ" میری مانند" کو حضرت محمد پر چسپاں کرسکتی ہیں تو وہ اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت فرعون نے بچوں کو مروڈالا لیکن آنحضرت کی پیدائش کے وقت ایسا کوئی سانحہ واقع نہ ہوا ؟ وہ ان باتوں کا کیا جواب دیں گے جو محض سطحی نہیں بلکہ ان کے پیش کردہ نکات سے زیادہ گہری اور نبوت کے کمالات سے متعلق ہیں؟ مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ نے رودرروخدا سے کلام کیا جس کی وجہ سے آپ کا نام" کلیم اللہ " ہوا(سورہ مریم آیت ۵۲) لیکن خدا نے آنحضرت پر حضرت جبرائیل کی وساطت سے قرآن نازل کیا۔ حضرت موسیٰ سے معجزات صادر ہوئے (سورہ اعراف آیت ۱۰۱ تا ۱۱۶۔ ۱۶۰ وغیرہ) لیکن آنحضرت نے معجزات نہیں کئے حالانکہ اہل عرب آپ سے برابر درخواست کرتے رہے (بنی اسرائیل ۶۱، ۹۳تا ۹۶۔ عنکبوت ۴۹، ۵۰۔ رعد ۸، ۳۰۔ انعام ۳۷، ۵۷۔ ۱۰۹۔ بقر ۱۱۲۔ یونس ۲۱۔ اعراف ۲۰۲ وغیرہ) حضرت موسیٰ عہد قدیم کے درمیانی تھے جوخدا اور اسرائیل کے درمیان اطاعت کا عہد تھا (سورہ مائدہ ۱۵)لیکن حضرت محمد کے سپرد درمیانی کی خدمت تفویض نہ کی گئی ۔ حضرت موسیٰ اپنی قوم کی

شفاعت کرتے تھے۔ لیکن قرآن آنحضرت کے شفیع ہونے سے صاف انکار کرتا ہے (انعام ع ٦ - بقر ع ٦) حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے بغیر تلوار چلائے آزاد کرکے ملک مصر سے نکال کر کنعان میں لے گئے لیکن مولوی صاحبان ہی بتلائیں کہ حضرت محمد بغیر تلوار چلائے کس قوم کو کہاں سے نکال کر کہاں لے گئے ۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک آسمانی روٹی کھلائی ۔ اس بارے میں آنحضرت کس طرح سے ان مشابہت رکھتے ہیں؟ حضرت موسیٰ اہل مصر کی دانش میں ماہر تھے(اعمال ۷: ۲۳) لیکن آنحضرت محض اُمی تھے(اعراف ۱۵۶ - ۱۵۸) اب ہمارے مخاطب ہی جواب دیں کہ آنحضرت میں حضرت موسیٰ کے فضائل کہاں پائے جاتے ہیں؟ حق تو یہ ہے کہ مولوی صاحب نے اس معاملہ میں الٹی راہ اختیار کی ہے واجب تو یہ تھا کہ سب سے پہلے آپ یہ ثابت کرتے کہ آنحضرت فی الحقیقت نبی تھے اس کے بعد آپ کو یہ حق حاصل ہوسکتا تھا کہ آپ ان کو مثیلِ موسیٰ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ۔ اس کے برعکس آپ مماثلت سے نبوت کرنے چلے۔ آپ نے ان کو مثلِ موسیٰ ثابت کرنا چاہا جو آپ نہ کرسکے اور آپ نے اپنے اصل قضیہ یعنی نبوتِ محمدیہ کو بھی ثابت نہ کیا۔

تورات اور آیت کی تاویل

مولوی صاحب کتاب استثناء کے آخری باب کی دسویں آیت کو پیش کرکے کہتے ہیں " ۔ توریت میں یہ پیشین گوئی فیصلہ پاچکی ہے کہ بنی اسرائیل کے حق میں نہیں ہوسکتی کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ " اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا"۔

لیکن یہ آیت خود فیصلہ کررہی ہے کہ نبی قوم بنی اسرائیل ہی سے ہوگا اور اس میں دو باتیں زمانہ کو مقید کرتی ہیں۔ یعنی (۱) لفظ" اب تک " اور(۲) فقرہ جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں"۔

(۱ -)لفظ"۔ اب تک" جس سے صاف عیاں ہے کہ آئندہ زمانہ میں " بنی اسرائیل میں " کوئی ایسا نبی ظاہر ہوگا" جس سے خداوند روبرو باتیں "کریگا لیکن یہ آیت اس امر کو بالکل صاف اور واضح کردیتی ہے کہ یہ نبی قوم اسرائیل ہی سے ہوگا ورنہ" بنی اسرائیل " کی قید اس مقام میں کیوں آتی ؟ لفظ" اب تک "کوئی قید بھی اس بات کو ظاہر کردیتی ہے کہ جس زمانہ میں یہ آیت لکھی گئی تھی اس وقت تک کوئی ایسا نبی نہیں اٹھا تھا جس سے خداوند نے موسیٰ کی طرح روبرو باتیں کی ہوں۔

(۲-) آیت میں ایک دوسری قید یہ لگادی گئی ہے جس سے مصنف کا مافی الضمیر ظاہر ہوجاتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور نبی میں کیا مماثلت اور

مشابہت ہوئی ۔ یعنی وہ کس قسم کا نبی ہوگا۔ ایسا نبی " جس سے خداوند نے روبروباتیں کیں"۔

اس قید کے الفاظ واضح طورپر بتلادیتے ہیں کہ اس خاص مقام میں صرف ایک خاص مشابہت کا ذکر ہے جو حکم عام نہیں رکھتا ۔لہذا یہ آیت الفاظ" میری مانند" کے کل مفہوم کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتی کیونکہ علم منطق کے روسے ہم کسی ایک جزو سے قضیہ کلیہُ پر نہیں پہنچ سکتے۔

بہر حال قید کے یہ الفاظ" جس سے خدا نے روبروباتیں کیں" اس آیت کو حضرت محمد پرچسپاں کرنے کی کلی مخالف ہیں۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نےآنحضرت سے" روبروباتیں کیں"۔

اس آیت سے ایک اور بڑے کام کا نتیجہ ہاتھ لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے وقت سے لے کر تمام یہودیہ آیہ زیر بحث کو اسرائیلی نژاد نبی کی نسبت ہی سمجھتے رہے کیونکہ اس آیت میں لکھا ہے کہ " بنی اسرائیل میں اب تک۔۔۔ بنی نہیں اٹھا"۔ ان تمام زمانوں کسی یہودی کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا کہ آیہ زیر بحث کے" نبی"سے غیر اسرائیلی یا کوئی عرب نژاد نبی مراد لیں۔

منصبِ نبوت

باب اوّل میں " نبوت کے مفہوم" پر بحث کرتےوقت ہم یہ ثابت کرآئے ہیں کہ انبیاء اللہ کا یہ کام تھا کہ وہ قومِ اسرائیل کو خدا تعالیٰ کے پیغام پہنچائیں ۔ خدا ان کو ہر زمانہ میں اس غرض کے لئے کھڑا کرتا تھا تاکہ وہ قوم اسرائیل پر خدا کی مرضی کوظاہر کریں۔ یہی ان کا فرض منصبی تھا اوراسی مقصد کوپورا کرنے کی خاطر وہ منصبِ نبوت پر سرفراز کئے جاتے تھے پس الفاظ"میری مانند" نبوت کے منصب ۔ عہدہ درحیثیت کی مشابہت مقصود ہے نہ کسی اورامر کی مماثلت ۔ ان الفاظ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعدآنے والے انبیاء حضرت موسیٰ کی طرح صرف یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعدآنے والے انبیاء حضرت موسیٰ کی طرح خدا کے مقرر کردہ فرستادے ہوں گے جو خدا کے نام سے کاہنوں، بادشاہوں اور عوام الناس کو تعلیم دینے والے ، اوران پر ان گناہ جتلانے والے ہوں گے ۔ بنی اسرائیل کی تاریخ یہ ثابت کردیتی ہے کہ یہ انبیاء اللہ بادشاہوں کو خدا کے فرمانبردار خادم بنانے والے ۔کاہنوں کو صراط مستقیم دکھلانے والے اور لوگوں کو پاس الہیٰ پیغامات کے پہنچانے والے تھے(۲سیموئیل ۱۲ باب ۔ یرمیاہ ۴ باب ، عاموس ۷ باب وغیرہ)۔ بالفاظِ دیگر وہ خدا کے" امانت دار" رسول تھے(گنتی ۱۲ : ۷)۔

الفاظ" میری مانند" سے یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے انبیاء ہر پہلو سے حضرت موسیٰ کی مانند ہونگے۔ یا حضرت موسیٰ کے ہمسر ہوں گے۔ اس مقام میں حضرت موسیٰ کے درجہ نبوت یا اوج روحانیت کی مشابہت مقصود نہیں ہے۔ جہاں تک نبوت کے عہدے کا تعلق ہے تمام انبیاء جو ہو گذرے ہیں ۔ حضرت موسیٰ کی مانند ہیں جو خدا کی مرضی کو بنی اسرائیل پر ظاہر کرنے کی خاطر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت حضرت موسیٰ کی مانند برپا کئے گئے تھے۔

قرآن شریف اس نکتہ کو بایں الفاظ ادا کرتاہے ۔ قُولُواْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالأسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ يعنی" تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اترا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کوملا جو کچھ تمام نبیوں کو ان کے خدا کی طرف سے ملا۔ ہم ان نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے فرمانبردار ہیں"۔ (بقر آیت ۱۳۰) اس قرآنی آیت کا مطلب صاف ہے کہ جہاں تک منصب نبوت کا تعلق ہے اس لحاظ سے کلُ انبیاء یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

زیر بحث آیت میں الفاظ " میری مانند" کا بعینہ یہی مفہوم ہے حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے کہ جس طرح خدا نے مجھے فرعونِ مصر کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی ہدایت اورراہنمائی کے لئے برپا کیا تھا اسی طرح خدا بنی اسرائیل کی تاریخ میں حسب ضرورت ہر زمانہ میں قبائل اسرائیل میں سے لوگوں کو عہد نبوت عطا کرکے برپا کرتا رہیگا تاکہ وہ اپنے اپنے دور اور زمانہ میں قوم یہود کو ہولناک گناہوں سے آگاہ کرکے صراطِ مستقیم پر چلائیں۔ پس اے بنی اسرائیل جب کبھی خدا اپنا فرستادہ نبی بھیجے تم اس کی سننا کیوں خدا خود اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا اور جو احکام نبی کو ملا کریں گے وہ انہی کو تم تک پہنچادیا کرے گا۔ اس طرح تم خدا کی برگزیدہ قوم بنے رہوگے لیکن اگر تم نبی کی باتوں کو جن کو وہ خدا کی طرف سے تم تک پہنچایا کرے گا نہ سنوگے تو توخدا تم سے اس کا حساب لیگا اور وہ تم سے مواخذہ کیا جائیگا۔

پس اس مقام میں وجہ مشابہت صرف منصبِ نبوت ہے اور بس۔ اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ جس طرح خدا نے حضرت موسیٰ کو برپا کیا تھا اسی طرح وہ ہر زمانہ میں نبی برپا کرتا رہے گا۔ ہماری یہ تفسیر صحیح ہے کیوں کہ نہ صرف قومِ یہود کی تاریخ اس کی موید ہے بلکہ خدا کا کلام بھی اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ جب خدا نے حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یوشوع کو مقرر کیا تو فرمایا" جیسے میں موسیٰ کے ساتھ تھا ویسے ہی تیرے ساتھ رہوں گا۔(۱: ۱۵) اور بنی اسرائیل نے بھی یوشوع کو کہا۔

جیسے ہم سب امور میں موسیٰ کی بات سنتے تھے ویسے ہی تیری سنیں گے۔ فقط اتنا ہو کہ خداوند تیرا خدا جس طرح موسیٰ کے ساتھ رہتا تیرے ساتھ بھی رہے۔(۱: ۱۷) کتاب اعمال الرسل میں جہاں آیہ زیر بحث کا اقتباس کیا گیاہے انگریزی ریوائزڈ ترجمہ کے حاشیہ میں اس حصہ کا یوں ترجمہ کیا گیا ہے (۳: ۲۳۔ ۷: ۳۷) “As He raised up me” یعنی جس طرح اس نے مجھے برپا کیا۔" ریوائزڈ سٹینڈرڈ ترجمہ میں اعمال کےدونوں مقامات میں یہی ترجمہ متن میں کیا گیا ہے۔ پس ان مترجمین [1] کے مطابق (جن کی فضیلت میں کسی کو انکار کی مجال نہیں) کتاب اعمال الرسل میں مقدس پطرس اورمقدس ستفنس آیہ زیرِ بحث کا یوں اقتباس کرتے ہیں۔" خداوند تمہارا خدا تمہارے بھائیوں میں سے نبی برپا کرتا رہیگا جس طرح اس نے مجھے برپا کیا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا"۔ اب تو ہمارے مخاطب کی بھی تسلی ہوجانی چاہیے کیونکہ وہ اعمال کے اس مقام کااور پطرس حواری اور ستفنس حواری کا سہارا لئے بیٹھے تھے۔

[1] *See also New Testament in modern speech Godspeeds Translation of N.T. Twentieth Century N.T. and “The Book of Books of Translation of N.T. etc.*

الفاظ" اپنا کلام"

ہم نے سطور بالا میں جو تفسیر پندرھویں آیت کی ہے کہ اس کی تائید اٹھارھویں آیت کے الفاظ بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں خدا فرماتا ہے " میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہیگا" ۔ انبیائے یہود کی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ بنی اسرائیل کے مختلف انبیاء جو ہر دور میں برپا ہوتے رہے کہ یہی دعویٰ کرتے تھے۔ کہ ان کا پیغام خدا کا کلام ہے جو وہ چاروناچار اپنے زمانہ کے لوگوں تک من وعن پہنچاتے ہیں۔ مثلاً حضرت یرمیاہ کہتے ہیں کہ" خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ اس نے فرمایا میں نے تجھے قوموں کے لئے نبی ٹھیرایا۔ تب میں نے کہا خداوند خدا دیکھ میں بول نہیں سکتا۔ لیکن خداوند نے مجھے فرمایا یوں نہ کہہ ۔ جو کچھ میں تجھے فرماؤں گا وہ کہیگا۔ میں نے اپنا کلام تیرے منہ میں ڈال دیا ہے"۔
(پہلا باب۔ نیز دیکھو ۲۳: ۲۸ تاآخر وغیرہ۔ حزقی ایل ۳: ۴، ۱۰ وغیرہ۔ گنتی ۲۲: ۳۸۔ ۲۳: ۵۔ یسعیاہ ۵۱: ۱۶۔ ۵۹: ۲۱۔ خروج ۴: ۱۵۔ ۲سیموئیل ۱۴: ۳تا ۹۔ عزراہ ۷: ۱۸ وغیرہ وغیرہ)۔

" تم اس کی سننا"

ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں حضرت موسیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کیا ہے نہ کہ بنی اسماعیل کو یا کسی اور غیر اسرائیلی قوم کو۔ اس جملہ میں اصل عبرانی زبان میں لفظ" اس" پرزور دیا گیاہے۔ پس ان الفاظ میں خدا کا حکم ہے کہ اے قوم اسرائیل تم اپنے گردوپیش کی مشرکانہ اقوام کی سی کرتوتیں نہ کرنا اور نہ ان کے فالگیروں ۔ شگون نکالنے والوں ۔ افسون گروں، جادو گروں ، منتر پڑھنے والوں، جنات کے آشناؤں ، رمالوں، ساحروں وغیرہ کی سننا۔ اسکے برعکس جس نبی کو میں تمہاری ہدایت کےلئے وقتاً فوقتاً برپا کرتا رہونگا تم فقط اسی کی سننا۔ اور صرف اسی کی طرف کان لگانا۔ جومنصبِ نبوت پر سرفراز ہو کرحضرت موسیٰ کے کام کو متواتر اور مسلسل طورپر اپنے زمانہ میں برقرار اور بہیم جاری رکھیگا۔

مابعد کی آیات (۲۰، ۲۲) میں خدا نے ایک معیار بھی قائم فرمادیا تاکہ قوم اسرائیل اس کسوٹی پر نبی کے دعوےٰ کو پرکھ کر صادق اور کاذب نبی میں تمیز کرسکے۔ان آیات کی تفسیر وتاویل کے لئے دیکھو یرمیاہ ۱۴: ۱۴- ۱۵: ۱۶- ۱ ۲تا ۲۷، ۳۰تا ۳۳ ۲۳ آیات- ۲۷: ۹تا ۱۶- ۲۸: ۱۵تا ۱۷- ۲۹: ۸، ۲۱تا ۲۳- ۱ سلاطین ۲۲: ۱تا ۲۲- حزقی ایل ۱۲: ۲۴- ۱۳: ۱تا ۲۳- نوحہ ۲: ۱۴- یسعیاہ ۳۰: ۱۰- میکا ۲: ۱۱- ۳: ۱۱وغیرہ - اور دیگر مقامات میں صادق اور کاذب نبیوں کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قدیم زمانہ کی مشرکانہ اقوام اورقوم بنی اسرائیل میں یہی ایک بات مابہ الامتیاز تھی کہ بنی اسرائیل کے درمیان ہر زمانہ میں ایک مستقبل طبقہ انبیاء موجود رہا (۱-سیموئیل ۱۹: ۲۰) تاکہ قوم یہود خدا کے نبیوں کی زیر ہدایت رضائے الہیٰ سے واقف ہوسکے۔ خداوندی ارشاد ہے کہ جب بنی اسرائیل کو ضرورت درپیش ہوگی تو خدا اس مستقبل طبقہ انبیاء میں سے ان کی ہدایت کے لئے نبی برپا کیا کریگا تاکہ قوم اسرائیل اس کی سنے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ باقی مشرکانہ اقوام مثلاً بنی اسماعیل بنی ادوم وغیرہ جن کے ساتھ بنی اسرائیل کا خونی رشتہ تھا بُت پرست ہی رہیں اوران میں خدائے واحد کے انبیاء برپا نہ ہوئے۔

اس باب کی فصلوں میں ہم نے زیر بحث آیات کے مختلف الفاظ پر مفصل بحث کرکے اربابِ دانش پر ان کا صحیح مفہوم ظاہر کردیا ہے ۔ اب انصاف پسند ناظرین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ سر سید مرحوم کے ان الفاظ میں کتنی صداقت ہے کہ ان آیتوں میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا"۔(خطبات ۵۹۹۔ ہم نے ثابت کردیاہے کہ ان آیات میں کسی خاص

نبی کی آمد کی کوئی " بشارت" موجود نہیں چہ جائیکہ وہ " صاف اور متحکم" ہو اور کہ کوئی صاحبِ عقل ان الفاظ کا اطلاق حضرت محمد عربی پر نہیں کرسکتا۔

فصل چہارم

آیہ زیرِ بحث اور مقدس پطرس رسول کی تقریر

ہم باب دوم کی فصل دوم میں بتلاچکے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی بعثت کا زمانہ بنی اسرائیل کی زبونی کا زمانہ تھا۔ بنی اسرائیل کا ایک کثیر گروہ (جس میں ہر قسم ، ہر درجہ اور ہر طبقہ کے خدا پرست اور دیندار مردوزن شامل تھے) آسمان کی طرف نظر اٹھائے ایک نبی کی آمد کا منتظر تھا جو ارشادِ خداوندی کے مطابق برپا ہو کر قوم کی مصیبت کے زمانہ میں اس کی رہنمائی کرے۔ جب آنخداوند کا ظہورِ قدسی ہوا تو سب لوگ " خدا کی تمجید کرکے کھنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی امت پر توجہ فرمائی ہے "(لوقا ۷: ۱۶)۔

منجئی عالمین کے صعودِ آسمانی کے بعد جب رسولوں پر روح القدس نازل ہوا تو مقدس پطرس رسول نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا ۔"(اے اسرائیلیو)۔ توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اوراس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے ایام آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی عیسیٰ مسیح کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے ۔ جو شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے نبی برپا کرتا رہیگا جس طرح اس نے مجھے برپا کیا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیگا وہ امت سے نیست ونابود کردیا جائے گا ۔ بلکہ سیموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب ان دنوں کی خبردی ہے۔ تم (اے اسرائیلیو) نبیوں کی اولاد اوراس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمہارے باپ دادا سے باندھا جب ابراہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائینگے ۔ خدا نے اپنے خادم (عیسیٰ) کو برپا کرکے پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے"(اعمال ۳: ۱۹ تاآخر)۔

مولوی صاحب کی دلیل اور جواب

اس مقام میں مقدس پطرس فرماتے ہیں کہ خدا نے اہل یہود کی زبونی کو مٹانے کی خاطر آیہ زیر بحث کے وعدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ مسیح کو برپا کرکے نبی موعود بنا کر بھیجا ہے تاکہ بنی اسرائیل توبہ کرکے خدا کی طرف متوجہ ہوں اوراس کے برگزیدہ مسیح پرایمان لاکر نجات حاصل کریں۔

لیکن ہماری حیرانی کی حد نہ رہی جب ہم نے پڑھا کہ مولوی صاحب نے مقدس پطرس کو مندرجہ بالاآیات کی بناء پر محمد عربی کا مبشر بنایا چاہاہے۔

ان کے زعم میں مقدس رسول مقبول آیہ زیر بحث کو اپنی تقریر میں حضرت محمد عربی سے منسوب کررہے ہیں !!۔

ع بسوخت عقل حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں : " اس پیشین گوئی کو حضرت پطرس حضرت محمد پر جماتے ہیں۔ اُوپر کی آیات پر ناظرین کو دو امور پر غور کرنا چاہیے "(صفحہ ۱۶ تا ۱۷) وہ دوامور معہ جواب یہ ہیں:

اول یہ کہ۔ ضرور ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ آسمان میں اس وقت تک رہے جب وہ نبی مثل موسیٰ آجائے "۔ نہیں صاحب بلکہ اس وقت تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے"۔ دیکھئے آپ نے کیسی برجستہ غلطی کی ہے۔

مقدس پطرس دوسرے باب کی ۳۳، ۳۴ آیات میں بتلا چکے ہیں کہ کیوں " ضرور ہے کہ وہ مسیح ،آسمان میں رہے" یعنی اس واسطے تاکہ وہ روح القدس کو نازل کرے۔ اس بخشش سے مسیح کی (جو آسمان میں ہے) سلطنت زمین پر شروع ہوگئی کیونکہ سب چیزوں کی بحالی سے پہلے ضرور ہے کہ گنہگار انسان بحال ہوجائے ۔ پس رسول مقبول فرماتاہے کہ اے اسرائیلیو" توبہ کرو اور رجوع لاؤ"۔ جب منجئی عالمین بحال کرتے ہیں تو اس بحالی میں انسان اوردیگر تمام مخلوقات کی بحالی شامل ہے۔(رومیوں ۸: ۱۹تا ۲۲۔ یسعیاہ ۶۵: ۱۸۔ ۲پطرس ۳: ۱۳۔مکاشفہ ۲۱: ۱ وغیرہ)۔

"دوم۔ یہ کہ سیدنا عیسیٰ پہلے آیا۔ یہ بات بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسیح مبشر محمد ہیں"۔ گویا پہلے آنا کسی کی بشارت دینے کو لازمی ٹھہیرادیتا ہے! خصوصاً حضرت محمد کو !! حقیقت تو یہ ہے کہ سیدنا مسیح نے کسی دوسرے نبی کی بشارت نہیں دی ۔ یہ مسلم مناظرین کا محض وہم ہے۔ ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ یہ لازم نہیں کہ ہر نبی کی آمد کے لئے پیش خبری موجود ہو۔ مولوی صاحب آیہ شریفہ کا مطلب نہیں سمجھے۔ گو آیت صاف اور واضح ہے"۔ خدا نے اپنے خادم عیسیٰ کو برپا کرکے پہلے تمہارے پاس بھیجا اور یہ بات حضرت کلمۃ اللہ کے کلام کے مطابق ہے[1] ۔ کہ "غیر قوموں کی طرف نہ جانا بلکہ پہلے اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاتا"(متی ۱۰: ۵، ۶۔ مرقس ۷: ۲۷)۔

مندرجہ بالا آیات میں مقدس پطرس کا مطلب صاف ہے۔آپ فرماتے ہیں :

اوّل: " جن باتوں کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے " وہ سب باتیں سیدنا مسیح کی ذاتِ قدسی صفات میں بدرجہ احسن پائی جاتی ہیں ۔

دوم :" گناہوں کے مٹائے جانے اور تازگی کے ایام کے آنے کا جو ذکر آیت ۱۹ میں شروع ہوا ہے ان کا سیدنا مسیح کے ساتھ انجام بخیر ہوتا ہے۔ چنانچہ مقدس پطرس فرماتے ہیں کہ " خدا نے اپنے خادم عیسیٰ کو برپا کرکے پہلے

[1] اس آیت کی صحیح تفسیر کے لئے میرا رسالہ ملاحظہ کریں" اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی" برکت اللہ

تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے"(آیت ۲۶)۔

سوم۔ مقدس رسول منجئی عالمین کی رسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں " وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی عیسیٰ کو بھیجے۔" بھلا تقرری تو عیسیٰ مسیح کی ہو اور آجائیں محمد! یہ کیا خیال محال ہے؟

چہارم۔ استثنا کی کتاب کے ۱۸ باب کی ۱۵ آیت کو مقدس پطرس نے ابراہیمی وعدہ کے ساتھ کہ" تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائینگے" وابستہ کیا ہے۔ یہ ابراہیمی وعدہ جیسا ہم انشاء اللہ اگلے باب میں ثابت کردیں گے بنی اسماعیل کو نہیں پہنچا بلکہ بنی اسرائیل کو ملا۔ چنانچہ تورات شریف کی کتاب پیدائش میں خدا فرماتا ہے " میں اضحاق سے اوراس کے بعد اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا۔ اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا لیکن میں اپنا عہد اضحاق سے باندھونگا (۱۷: ۱۹تا ۲۱) اس مقام میں نہایت واضح اور صاف الفاظ میں خدا نے حضرت اسماعیل کو عہد سے خارج کرکے اپنا عہد حضرت اضحاق سے باندھا ہے۔ کتاب استثنا کی آیہ زیر بحث اسی عہد کے ذیل میں ہے۔

پنجم۔ مقدس پطرس نے اپنی تمام تقریر اور استدلال کا نتیجہ خود ہی فرمایا دیا کہ " خدا نے اپنے خادم عیسیٰ کو برپا کرکے پہلے تمہارے پاس بھیجا" ۔ اس آیت سے ایسے شخص کے لئے جو انجیل جلیل سے استدلال کرنا چاہتا ہو تامل کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

ششم۔ مقدس پطرس رسول تاریخ یہود کے اس دور کا ذکر کرکے جس میں وہ آپ رہتے تھے فرماتے ہیں "۔ سب نبیوں نے ان دنوں کی خبر دی ہے"۔ بھلا فرمائیے کہ " ان دنوں" کو چھ صدیاں بعد کے محمد عربی کے زمانہ سے کیا مناسبت ہے؟

باب چہارم

اضحاقی اور اسماعیلی برکات

خداوندی وعدے

اس باب میں ہم اضحاقی اوراسماعیلی برکتوں پر تبصرہ کرکے یہ معلوم کریں گے کہ آیا حضرت اسماعیل اوران کے خاندان کے لئے کوئی نبوی برکت موعود تھی۔ مولوی صاحب نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۴ پر بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی برکتوں کا ایک شجرہ پیش کیا ہے اور تورات شریف میں جو وعدے دونوں قوموں سے ہوئے نقل کئے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی ان برکات کو ناظرین کے روبرو پیش کرکے مولوی صاحب کی دلیل کو جانچتے ہیں :

بنی اضحاق	بنی اسماعیل
خدا نے ابراہیم سے فرمایا- بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا- اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھونگا (پیدائش ۱۷ : ۱۹)- خدا نے ابراہیم سے ہمکلام ہو کر فرمایا دیکھ میرا عہد تیرے ساتھ ہے- میں تجھے بہت برومند کرونگا- قومیں تیری نسل سے ہونگی میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان سب کی پشتوں کے لئے اپنا جو ابدی عہد ہے باندھونگا تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں- میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک دونگا کہ وہ دائمی ملکیت ہوجائے اور میں ان کا خدا	خداوند کے فرشتہ نے ہاجرہ سے کہا - تو اپنی بی بی (سارہ) کے پاس لوٹ جا- میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہوسکے گا- تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا- وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا- اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا (پیدائش ۶: ۹تا ۱۲)- ابراہیم نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل تیرے حضور جیتا رہے- تب خداوند نے فرمایا میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں بھی سنی- دیکھ میں اسے برکت دونگا- اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں

بنی اضحاق	بنی اسماعیل
ہونگا (پیدائش ۱۷ : ۳تا ۸)- خداوند نے ابراہیم سے کہا - تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ میں سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل- میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤ نگا اور برکت دونگا اور تیرا نام سرفراز کرونگا سو تو باعثِ برکت ہوگا اور دنیا کی سب قومیں تیرے وسیلہ سے برکت پائینگی- تب ابراہیم ملک کنعان کو گیا اور خدا نے اس کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا-(پیدائش ۱۲ : ۱تا ۷)- خداوند نے کہا ابراہیم سے یقیناً ایک بڑی اور زبردست قوم پیدا ہوگی اور زمین کی سب قومیں اس کے وسیلہ سے برکت پائینگی -(پیدائش ۱۸ : ۱۸)-	اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا لیکن میں اپنا عہد اضحاق سے ہی باندھوں گا جو اگلے سال اسی وقتِ معین پر سارہ سے پیدا ہوگا -(پیدائش ۱۷: ۱۸ تا ۲۱)- یہ نسب نامہ ابراہیم کے بیٹے اسماعیل کا ہے ----- یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور انہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے اور اسماعیل کی کل عمر ۱۳۷ کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑدیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا- اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی- یہ لوگ

بنی اضحاق	بنی اسماعیل
خداوند نے فرمایا میں سارہ کو برکت دونگا اوراس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشونگا ۔ یقیناً میں اسے برکت دونگا کہ قومیں اس کی نسل سے ہونگی۔(پیدائش ۱۷: ۱۶)۔ خدا نے ابراہیم سے فرمایااپنا عہد صرف اضحاق ہی سے قائم کرونگا "(پیدائش ۱۷: ۲۱) خداوند نے اضحاق پرظاہر ہو کر فرمایا کہ تو مصر کو نہ جا بلکہ اسی ملک میں قیام رکھ اور میں تیرے ساتھ رہونگا اور تجھے برکت بخشونگا کیونکہ میں تجھے اور تیری نسل کو یہ سب ملک دونگا اور میں اس قسم کو جو میں نے تیرے باپ ابراہیم سے کھائی پورا کرونگا ۔ اور میں تیری اولاد کو بڑھا کرآسمان کے تاروں کی مانند کردونگا اور زمین کی سب	اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے"۔ (پیدائش ۲۵: ۱۲تا ۱۸)۔

بنی اضحاق	
قومیں تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائینگی۔(پیدائش ۲۶: ۲تا ۴)۔ خدانے یعقوب سے کہا میں " خداوند تیرے باپ ابرہیم کا خدا اور اضحاق کا خداہوں میں یہ زمین جس پر تولیٹاہے تجھے اور تیری نسل کو دونگا اور تیری نسل زمین کے گرد کے ذروں کی مانند ہوگی اور زمین کی سب قومیں تیرے اور تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائینگی "(پیدائش ۲۸: ۱۳تا ۱۴)۔	

وعدوں کی تفصیل اور فرق

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ " کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ خداوند تعالیٰ دوقوموں سے برکت اور برومندی کا وعدہ کرے اور پھر ایک قوم کو اپنے وعدہ کے موافق برکت دے اور دوسری قوم کو بخلافِ وعدہ برکت اور

برومندی بغیر نبی کے ایک مغضوب اور مقہور قوم کی طرح ترک کردے حالانکہ دونوں کی برکت اور وعدہ یکساں ہو"۔لیکن مذکورہ بالا شجرہ سے ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے دونوں قوموں کو اپنے وعدہ برکت وبرومندی کے موافق بابرکت اور برومند کیا مگر دونوں قوموں کے " برکت اور وعدے یکساں" نہیں تھے۔ اضحاقی وعدہ میں علاوہ برکتِ برومندی کے ایک اور برکت بھی شامل تھی جس سے اسماعیل محروم رہا۔ پس بنی اسماعیل کا " بغیر نبی" رہنا ہرگز " خلافِ وعدہ برکت وبرومندی کے" نہیں ہے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ جس قوم میں" اس قوم کا نبی برپا نہ ہووہ خواہ مخواہ " مغضوب اور مقہور" قرار دی جائے۔

اضحاقی وعدے

ناظرین حضرت اضحاق اور بنی اضحاق کے وعدوں پر بغور خیال فرمائیں:

خدا نے حضرت اضحاق کی مانند حضرت اسماعیل سے یہ وعدہ تو کیا کہ وہ برکت پائیگا اور اسکی نسل فراواں ہوگی مگر صرف حضرت اضحاق ہی سے یہ وعدہ کیا کہ زمین کی سب قومیں تیری نسل سے برکت پائینگی۔ پس ان کو دو برکتیں عطا ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ خود مع اپنی نسل کے صاحبِ برکت ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی نسل تمام جہان کی قوموں کے لئے باعثِ برکت ہوکر مرکزِ برکت بن جائے۔ اس وعدہ سے حضرت اسماعیل قطعاً محروم رہے اوریہی خاص وعدہ نبوت کی برکت کا وعدہ ہے جس کی بدولت اسرائیل مخصوص ہوا اور جس کے باعث اضحاق کے خاندان میں بنی اسرائیل تمام جہان میں ممتاز ہوا (پیدائش ۲۸: ۱۳تا ۱۴) اور تمام دنیا کو اس اضحاقی برکت سے برکت ملی۔

مگر اضحاقی برکت کی خاص صورتیں ہیں۔ یہ برکت ابتداء میں حضرت ابراہیم کو خدا نے دی اور فرمایا" میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ " میں تجھے برکت پر برکت دونگا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کردونگا۔ اور تیری نسل کے وسیلے سے دنیا کی سب قومیں برکت پائینگی "۔ (پیدائش ۲۲: ۱۶تا ۱۸)۔ خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور نسلِ ابراہیم کو ساری دنیا کی قوموں کی برکت کا باعث بنایا۔

لیکن حضرت ابراہیم کی نسل میں بعض ایسے بھی تھے جو اس برکت کے مستحق نہ ہوئے ۔ آپ کے ہاں حضرت اسماعیل کے علاوہ کئی بیٹے ہوئے(پیدائش ۲۵: ۱تا ٦) ان میں سے صرف حضرت اضحاق کو خدا نے یہ مخصوص برکتِ نبوت عطا فرمائی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خدا نے اضحاق سے فرمایا" میں اس قسم کو جو میں نے تیرے باپ ابراہیم سے کھائی پورا کرونگا۔ میں تیری اولاد کو بڑھا کر آسمان کے تاروں کی مانند کردوں گا اور زمین کی سب قومیں تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائینگی "(پیدائش ۲٦: ۳تا ۴) کیونکہ خدا نے

حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا کہ " اضحاق سے ہی تیری نسل کا نام چلے گا"(پیدائش ۲۱: ۱۲)۔

ناظرین نے یہ ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہر مقام میں جہاں اس وعدہ کا ذکر ہے لفظ" نسل" صیغہ واحد میں استعمال ہواہے۔ یہ امر نہایت معنی خیز ہے۔ اسی واسطے مقدس پولوس رسول بھی استد لال کرتے وقت فرماتے ہیں" پس ابراہیم اوراس کی نسل سے وعدے کئے گئے ۔وہ یہ نہیں کہتا کہ نسلوں سے جیسا بہتوں کے واسطے کہا جاتاہے ۔بلکہ جیسا ایک کے واسطے کہ تیری نسل کو" (گلتیوں ۳: ۱۶)۔پھر فرماتاہے کہ" ابراہیم کی پشت میں سے ہونے کے سبب سے سب فرزند ٹھیرے بلکہ یہ لکھا ہے کہ اضحاق ہی سے تیری نسل کہلائیگی یعنی جسمانی فرزند خدا کے فرزند نہیں بلکہ وعدے کے فرزند" نسل" شمار کئے جاتےہیں"(رومیوں ۹: ۷)۔

حضرت اضحاق کے دوبیٹے تھے ۔ایک ایسا کم ظرف نکلا کہ اس نے اپنی روحانی برکت کو دنیا اور جسم کی خواہشات کے عوض بیچ ڈالا۔ اس لئے خدا نے اس کو برکت سے محروم کرکے اس کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب یعنی اسرائیل کو یہ برکت عطا کردی۔ چنانچہ خدا نے حضرت یعقوب سے کہا" تیری نسل زمین کے گرد کے ذروں کی مانند ہوگی اور دنیا کی سب قومیں تیرے اور تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائیں گی "(پیدائش ۲۸: ۱۴)۔ پس یہ مخصوص برکت حضرت ابراہیم سے ہوتی ہوئی حضرت اضحاق پر اور حضرت اضحاق سے ہوتی ہوئی حضرت یعقوب اوراس کی نسل پر نازل ہوئی اسی واسطے لکھاہے " وہی خداوند ہمارا خدا ہے جس نے اپنے عہد کو ہمیشہ یادرکھا یعنی اس کلام کو جو اس نے ہزاروں پشتوں کے لئے فرمایا ۔ اسی عہد کو جو اس نے ابراہیم سے باندھا اوراس قسم کو جواس نے اضحاق سے کھائی اوراسی کواس نے یعقوب کے لئے ابدی عہد ٹھہرایا"(زبور ۱۰۵ - ۷تا ۱۰ وغیرہ) حتےٰ کہ بمقابلہ تمام اقوام عالم کے (جن میں بنی اسماعیل بھی شامل ہیں) بنی اسرائیل ایک مخصوص قوم ہوئی اورخدا نے اس قوم کی بابت فرمایا کہ توخداوند اپنے خدا کے لئے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے تجھے روئے زمین کی اور سب قوموں میں سے چن لیا ہے تاکہ اس کی خاص امت ٹھہرے (استشنا ۷: ۶) اوراس قوم کےخدا کا نام ہی ہر زمانہ میں یہ تھا"۔ ابراہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا "(خروج ۳: ۶ - ۴: ۵- ۱سلاطین ۱۸ : ۳۶- مرقس ۱۲ : ۲۶- اعمال ۷: ۳۲وغیرہ)۔

اس برکت اور وعدہ کے مواق نبوت کی برکت بغیر کسی امتیاز کے اسرائیل کی قوم کے بارھوں فرقوں میں آئی اور کل انبیاء انہی بارہ فرقوں میں سے برکتِ ابراہیمی کے موافق مبعوث ہوئے اور" زمین کی ساری قوموں کی برکت کا باعث" بنے۔ حضرت اسماعیل اس برکت سے محروم رہ گئے اوران کی اولاد کا اس برکتِ اعظمیٰ سے تعلق نہ رہا۔ بنی اسماعیل کا اس برکت میں کوئی حصہ بخرہ نہیں۔ اگر اب بھی بنی اسرائیل کے علاوہ بنی اسماعیل میں

توراتِ شریف کی ابراہیمی برکت کی بناء پر کسی نبی کی تلاش کی جائے توہم بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ " سوائے اس کے جو براہِ تعصب اس صاف اور روشن حقیقت سے آنکھ بند کرلے" کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت محمد صاحب کا ابراہیمی وعدہ اور برکتِ اعظمیٰ سے تعلق ہے؟

اسماعیل شرعاً نسلِ ابراہیم نہیں

جو ابدی عہد خدا نے حضرت ابراہیم سے باندھا تھا وہ انکے بعد صرف حضرت اضحاق سے باندھا گیا۔ حضرت اسماعیل اس عہد سے قطعاً محروم کئے گئے ۔ ان کو نسل کی فراوانی تو اضحاق کے ساتھ ملی مگر خدا نے صاف فرمادیا" لیکن میں اپنا عہد اضحاق سے ہی باندھوں گا۔ میں اس سے اوراس کے بعد اس کی اولاد سے اپنا ابدی عہد باندھوں گا "۔ پس اسماعیل خدا کے عہد سے خارج ہوئے ۔ اس عہد سے خارج ہونے کی وجہ سے جیسا مقدس پولوس فرماتاہے حضرت اسماعیل شرعاً ابراہیم کی نسل کہلائے جانے سے بھی خارج ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے صرف حضرت اضحاق ہی کو ابراہیم کا" اکلوتا بیٹا" کہا(پیدائش ۲۲: ۱۶) حقیقت بھی یہی ہے کہ گو اسماعیل جسم کے طور پر حضرت ابراہیم سے پیدا ہوئے مگر خدا نے ان کو نسلِ ابراہیمی سے خارج فرمایا۔ خدا کی برکتیں مفت ہیں۔ وہ جس کو چاہے دے۔ اللہ یفعل مایشیاء بقول شخصے۔

قسمت کیاہے ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

کوئی اپنے آپ کو خدا کے انعامات کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔ اسماعیل اپنی حالت پر قانع رہے۔ انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ شکایت کرنے والے زمانہ حال کے مولوی صاحبان ہیں اوران کی شکایت بیجا ہے۔

علاوہ مذکورہ بالا دلائل کے ہمارے دعویٰ کی دلیل کو حضرت اسماعیل شرعاً ابراہیم نہیں یہ ہیں :

(۱ ۔) خدا نے حضرت ابراہیم سے اس وقت وعدہ کیا تھا جبکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی ۔ ملکِ کنعان میں تیری نسل کو دوں گا۔ اب دیکھئے کہ ملکِ کنعان کس کے ترکہ میں پڑا؟ جو کنعان کے وارث ہوئے وہی ابراہیم کی نسل ہوئی۔ یہی ملک میں " تیری نسل کو دوں گا "۔ اب ظاہر ہے کہ بنی اسماعیل کبھی کنعان کے وارث نہ ہوئے (پیدائش ۲۵ باب) اورجو جو قومیں اس کی وارث نہ ہوئیں خواہ وہ ابراہیم کے صلب سے ہی کیوں نہ ہوں وہ نسل ابراہیمی کے نام سے محروم ہیں۔

(۲ ۔) خدا نے صاف طورپر فرمادیا کہ اے ابراہیم اضحاق سے نسل کا نام چلیگا "(پیدائش ۲۱: ۱۲) پھر کیوں ان کی نسل کسی اور سے کہلائے؟ پس حضرت اضحاق کے سوا ابراہیم کے تمام دیگر بیٹے (مع اسماعیل) خارج ہوگئے۔

(۳۔) حضرت ابراہیم کا درحقیقت ایک ہی بیٹا تھا یعنی اضحاق (پیدائش ۲۲: ۱۶) کلامِ خدا دوسروں کو کنیزک زادے کہتاہے اور حضرت اسماعیل کے حق میں بی بی سارہ کے اس فیصلہ کو کہ " اس لونڈی (ہاجرہ) کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔"(پیدائش ۲۱: ۱۰) خدا تعالیٰ خود منظور فرماتاہے(۲۱: ۱۲)۔

(۴۔) حضرتِ ابراہیم کا تمام ترکہ صرف حضرت اضحاق کو ہی ملا۔ چنانچہ لکھاہے کہ" ابراہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کودیا" (پیدائش ۲۵: ۵) کیوں؟ اگر اسماعیل بھی شرعاً ابراہیم کے بیٹے تھے تو ان کو کیوں کچھ نہ ملا؟ حقیقت میں بحکم خدا حضرت ابراہیم کے تمام بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوئے بلکہ حضرت نے" اپنے جیتے جی ان کو پنے بیٹے اضحاق کے پاس سے بہت کچھ انعام دے کر مشرق کی طرف بھیج دیا" (پیدائش ۲۵: ۶) اور اسماعیل کو" روٹی اورپانی کے ایک مشک " دے کر رخصت کردیا(۲۱: ۱۴) ۔ پس ابراہیم نے عملی طور سے صرف اضحاق کو ہی اپنا بیٹا گردانا اوراسی کو اکیلا بلاشرکتِ غیر اپناوارث بنایا۔

(۵۔) خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل اور دیگر کنزک زادوں کے باوجود اضحاق کوابراہیم کا" اکلوتا بیٹا" کہا(پیدائش ۲۲: ۲، ۱۶)۔

اب یہاں سے اظہر من الشمس ہے کہ نبوت کی برکت کاوعدہ اورالہٰی عہد جو حضرت ابراہیم سے اس کی نسل کی بابت ہوا تھا حضرت اضحاق کوپہنچا۔ اوران کے بعد حضرت یعقوب کو پہنچا۔ حضرت اسماعیل شروع ہی سے نسلِ ابراہیمی سے اور وعدہ کی فرزندگی سے اور عہدِ الہٰی سے خارج ہوئے۔ پس بنی اسماعیل سے کسی نبی کے اس معنی میں برپا ہونے کا دعویٰ جس معنی میں کہ بنی اسرائیل میں برپاہوئے محض طرفداری کی ضد ہے جس کا ابطال تورات شریف خود کرتی ہے۔

باب پنجم

عدم نبوتِ اسماعیل

فصل اوّل

عدمِ نبوتِ اسماعیل ازروئے تورات

ہم نے گذشتہ باب میں اضحاقی اور اسماعیلی برکتوں پر مفصل بحث کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ تورات شریف کی روسے نبوت کی برکتِ عظمیٰ حضرت اضحاق کو اوران کے بعد حضرت یعقوب کو ملی۔ حضرت یعقوب کے بعد یہ نعمت آلِ یعقوب یعنی بنی اسرائیل کے مختلف افراد کو عطا ہوئی۔ لیکن حضرت اسماعیل اورآلِ اسماعیل کے تمام افراد نبوت کی برکت سے

خارج ہوئے۔ پس ازروئے تورات نہ تو اسماعیل نبی تھے اور نہ آپ کی اولاد بنی اسماعیل سے کسی نبی نے برپا ہونا تھا۔

مولوی صاحب کی دلیلیں اوران کے جواب

لیکن مولوی صاحب نے خدا کے روشن وعدوں کو نہ سمجھنے کے باعث نہ صرف یہ فرض کرلیا کہ بنی اسماعیل میں نبی موعود ہونے والا تھا بلکہ یہ بھی فرض کرلیا کہ اسماعیل بھی ابراہیم اضحاق اوریعقوب کی مانند نبی تھے۔ اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ آپ نے اپنے مفروضہ کو تورات شریف سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ چنانچہ آپ نے اپنے رسالہ کے آخر میں بعنوان " اثباتِ نبوتِ حضرت اسماعیل " (صفحہ ۴۷تا ۴۸) فرماتے ہیں :

" عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی نبوت توریت مقدس سے ثابت نہیں ہوتی مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی نبوت توریت مقدس سے ایسی ثابت ہوتی ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب کی ۔چنانچہ ان کی نبوت کے دلائل یہ ہیں :

پہلی دلیل یہ ہے کہ کتاب پیدائش سے ظاہر ہوتاہے کہ " خدا ابراہیم کے ساتھ تھا"۔ اسی کتاب سے ظاہرہے کہ " خدا اضحاق کے ساتھ تھا"۔ اور کہ "خدا یعقوب کے ساتھ تھا"۔ اسی طرح اسماعیل کے حق میں لکھا ہے کہ "خدااس کےساتھ تھا"(پیدائش ۲۱: ۲۰)۔

اچھا صاحب ۔ اگرآپ کی دلیل کے موافق خدا کا کسی کےساتھ ہونا اور خدا کس کے ساتھ نہیں؟) اس کو نبی بنادیتاہے توہم اور نبیوں کا بھی پتہ آپ کو بتادیتے ہیں ! "خدا وند خدا ساتھ ہے " اسرائیل میں تمام جنگی مردوں کے(استثنا ۲۰: ۱۔ ۳۱: ۶۔ ۲ تواریخ ۱۳: ۱۴۔ ۳۲: ۸وغیرہ)۔ خداوند تمام قوم اسرائیل کے ساتھ ہے " (گنتی ۱۴: ۹۔ استثنا ۲۰: ۴ وغیرہ)۔ "خداوند ساتھ ہے " آسا بادشاہ کے اور بنی یہوداہ کے تین لاکھ آدمیوں کے اور بنیمین کے دو لاکھ اسی ہزار آدمیوں کے (۲ تواریخ ۱۵: ۲۔ ۱۴: ۸)اب اگرہمارے مخاطب چاہیں تو ان لاکھوں جنگی مردوں ، سورماؤں اور کلُ قوم بنی اسرائیل کو نبی مان لیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔

عبرانی محاورہ کے مطابق " خدا کا کسی کےساتھ ہونا" سے مراد خدا کی مدد اور یادری کا اس کے شامل حال ہونا ہے۔ اس سے کسی شخص کا عہدہ نبوت پر سرفراز کیا جانا مراد نہیں ہوسکتا ۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے جس آیت کو حضرت اسماعیل کی فضیلت میں پیش کیا ہے اس کو آپ نے پورا نہیں پڑھا اور نہ اس پر غور کیا ہے۔ اس آیت میں ہے " خدا اس لڑکے اسماعیل کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیرا نداز بنا"۔ (پیدائش ۲۱: ۲۰) ہمارے مخاطب کو یا دہوگا کہ خدا نے حضرت اسماعیل سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ " وہ گورخر کی مانند آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اورسب کے ہاتھ اس کے خلاف ہونگے"(پیدائش ۱۶: ۱۲) کتابِ

مقدس میں گورخر کی یہ صفات مذکور ہیں " گورخر کو کس نے آزاد کیا؟ جنگلی گدھے کے بند کس نے کھولے ۔ خدا نے بیابان کو اس کا مکان بنایا۔ اور زمین شور کو اس کا مسکن ۔ وہ شہر کے شور وغل کو ہیچ سمجھتا ہے اور ہانکنے والے کی ڈانٹ کو نہیں سنتا"۔ (ایوب ۳۹: ۵تا ۷)۔یہی حال حضرت اسماعیل کا تھا۔ انکے گردوپیش کے حالات کے مطابق خدا نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ حضرت بڑے ہوئے ، بڑھے اور بیابان میں جارہے اور تیر انداز ہوگئے۔ تیر اندازی آپ کے کام آئی کیونکہ حضرت کے ہاتھ سب کے خلاف اور حضرت کے خلاف سب کے ہاتھ ہوگئے۔ اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے بیابان میں رہنے والوں کی عظمت وجلال تیر اندازی پر ہی منحصر تھا۔ آپ یہ کھے کہ خدا اسماعیل کے ساتھ تھا اور وہ تیر اندازی میں ماہر ہوگیا نہ یہ کہ خدا اسماعیل کے ساتھ تھا اور نہ وہ نبی ہوگیا۔

دوسری دلیل ۔ مولوی صاحب کی دوسری دلیل اور بھی مضحکہ خیز ہے۔ آپ لکھتے ہیں " ابراہیم جان بحق ہوا اور اپنے لوگوں سے جاملا۔ اضحاق اپنے لوگوں سے جا ملا۔ یعقوب جان بحق ہوا اور اپنے لوگوں سے جاملا۔ اسی حضرت اسماعیل کے حق میں لکھاہے کہ " اسماعیل نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جاملا"(پیدائش ۲۵: ۱۷)۔

مولوی صاحب غضب کرتے ہیں جو جملہ " اپنے لوگوں میں جاملا" سے کسی شخص کی نبوت کا خیال اخذ کرتے ہیں! عبرانی محاورہ کے مطابق یہ جملہ وہی زور رکھتاہے جیسا ہمارے محاورہ میں " جنت نصیب ہونا" یا "غریق مغفرت ہونا"۔ اس عبرانی محاورہ کی بنیاد یہ ہے کہ ہر مرنے والا وہیں جاتاہے جہاں اس کے آباؤ اجداد گئے ہیں۔ اگرمولوی صاحب کی دلیل کو مان لیا جائے اور یہ درست و صحیح ہو کر مرنے کے بعد اپنے لوگوں میں مل جانے سے اسماعیل نبی ہوگئے توآپ کے مطابق دعویٰ نبوت کی اصلیت یہ ہوئی کہ حضرت اسماعیل جیتے جی نبی نہ ہوئے (اور ہم بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کھتے!) مگر موت کے بعد وہ نبی ہوگئے !! پر اگر کوئی شخص مرنے کے بعد کسی نبی سے جاملے ت ووہ نبی نہیں ہوجاتا۔ ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کا دعویٰ کہ اسماعیل کی نبوت تورات شریف سے ثابت نہیں ہوتی کس پایہ کا ہے اور مسلمانوں کا ان کے دعویٰ سے انکار کرنا کس قسم کے مضحکہ خیز دلائل پر مبنی ہے۔

اگر حضرت ابراہیم ، اضحاق اور یعقوب نبی تھے تو نہ اس لئے کہ خدا ان کے ساتھ تھا" یا وہ بعد مرون اپنے باپ دادا سے جاملے کیونکہ یہ امور خصائص نبوت سے نہیں ہیں۔ ان کی نبوت کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔ اور واضح رہے کہ بجنسہ انہی وجہ کے باعث حضرت اسماعیل نبی نہ تھے ۔ گوہم باب چہارم میں اس کے ابطال نبوت کے دلائل بیان کرچکے ہیں۔

حضرت ابراہیم نبی اس لئے تھے کہ خدا ان سے ہم کلام ہوا (پیدائش ۱۲: ۱وغیرہ)اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوا (۱۵: ۱) خدا نے ان کے ساتھ اپنا خاص عہد باندھا (۱۷: ۷) اور وہ خدا کے دوست خلیل اللہ تھے (یعقوب

کا خط ۲: ۲۳) حضرت اضحاق اس لئے نبی تھے کہ خدا ان پر ظاہر ہوا۔ ان سے ہم کلام ہوا اور ان سے عہد قائم کیا(۲۶: ۲تا ۵ وغیرہ) حضرت یعقوب بھی اس لئے نبی تھے کیونکہ خدا ان پر بھی ظاہر ہوا (پیدائش ۲۸، ۳۲اب) اب یہ خاص برکتیں حضرت اسماعیل کو نصیب نہ ہوئیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے۔ ان کو خدا کے ساتھ ہم کلام ہونا نصیب نہ ہوا اور خدا نے ابراہیمی عہد کو ان کے ساتھ نہ باندھا۔ اسماعیل ان سب باتوں سے محروم رہ گئے۔ حق تو یہ ہے کہ ان کو بیابانی زندگی اور تیر اندازی اور دشمنوں سے جنگ کرنے نے فراعت ہی نہ دی کہ وہ ان باتوں کی طرف دھیان کرتے۔ وہم نبوت ان کو خواب میں بھی کبھی ستانے نے نہ پایا تھا۔

تیسری دلیل۔ مولوی صاحب نے تورات کی ایک اور آیت کو ضمناً سند میں پیش کیا ہے کہ بنی اسماعیل میں انعامِ نبوت آنے والا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں " استثنا کے ۳۲باب کی ۳۱آیت سے ظاہر ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی تو اس وقت خدا نے غضب ناک ہو کر قوم اسرائیل سے فرمایا " میں ان کے ذریعہ سے جو کوئی اُمت نہیں ان کو غیرت دلاؤں گا اور ایک نادان قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا "۔ اگر نظرِ انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ " نادان قوم" کی مخاطب ٹھیک بنی اسماعیل کی قوم ہے۔

ہم حیرت میں ہیں کہ ہمارے مخاطب کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ؟ کیا بنی اسماعیل کو نادان ثابت کرکے وہ خدا کے ہاتھ سے ان کو نبوت دلائینگے۔ کیا وہ بھول گئے ہیں کہ اگر نادانی کسی قوم کو مستحق نبوت کردے تو بنی اسماعیل سے کہیں بڑھ چڑھ کر اس امر میں بعض اور قوموں کو فضیلت حاصل تھ؟ اور کیا زمانہ حال میں " نادان " اقوام کی بیخ کنی ہو گئی ہے۔ یا کیا مولوی صاحب سمجھتے ہیں کہ جس قوم سے اسرائیل خفا ہوجائے اس کو نبوت مل جایا کرتی ہے اہل یہود کی تاریخ بتلاتی ہے کہ قوم اسرائیل بعض اور قوموں سے بنی اسماعیل سے کہیں زیادہ خفا ہوچکی ہے کیامولوی صاحب ان سب کو عہد ہ نبوت دلائیں گے ؟ " نادان قوم" ہونا اور اسرائیل کو "غصہ دلانا" دعویٰ نبوت کے لئے بہت ہی نادانی کی دستاویز ہوسکتا ہے۔ ہمارے مخاطب کو اس قدر نادان تو نہ بننا چاہیے!۔

مولوی صاحب اپنی دلیل دے کر کھتے ہیں " ان کے حق میں توریت مقدس میں وعدہ برکت اور برومندی کا ہے"۔ ہم اس منتطق کو مطلق نہیں سمجھے کہ" وعدہ برکت و برومندی " کے لئے " نادان قوم" ہوجاتا کیونکہ لازم وملزوم ہے۔ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ " وعدہ برکت و برومندی" میں کوئی وعدہ" نبوت شامل نہیں ہے۔

آپ کھتے ہیں " یہ قوم ایک عرصہ دراز تک بغیر کتاب اور بغیر نبی کے رہی لیکن یہ قوم خدا کی موعودہ قوم تھی اس واسطے اس قوم کو" نادان" قوم کہا

گیا" ہم اوپر بتلاچکے ہیں کہ کس معنی میں یہ قوم" خدا کی موعودہ قوم" تھی۔
اور کہ اسماعیلی وعدہ میں کوئی وعدہِ نبوت نہ تھا۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ "بغیر کتاب اور بغیر نبی" رہنے کی وجہ سے اس قوم کو" نادانی" کا حق حاصل ہے۔ اسی لئے قرآن نے بھی ان کو" اُمی"کہا ہے لیکن یہ حق غیر مشترکہ نہیں ہے کیونکہ نہ صرف بنی اسماعیل بلکہ تمام غیر اسرائیلی اقوام عالم" بغیر کتاب اور بغیر نبی" کے رہیں۔ حقیقت یوں ہے کہ" نادان قوم" سے مراد ایسی ہی قوم ہے جو" بغیر کتاب اور بغیر نبی" ہو۔ صحفِ سماوی کی اصطلاح میں تمام غیر یہود اقوام " نادان " ہیں۔ خواہ وہ دنیا کی نظروں میں عقل مند ہوں۔ کیونکہ وہ " بغیر کتاب اور بغیر نبی" یعنی حقیقی عرفانِ الہیٰ کے بغیر ہیں۔ بنی اسماعیل بھی دیگر یہودی اقوام کے ساتھ" نادان" اقوام میں شامل ہیں۔" نادان" ہونا صرف بنی اسماعیل کی خصوصیت ہی نہیں۔

ناظرین ذرا غور فرمائیں ۔ مولوی صاحب بابِ سوم کی فصل اوّل میں تو یہ ثابت کرناچاہتے تھے کہ لفظ" بھائیوں" سے مراد بنی اسماعیل ہیں لیکن یہاں آپ بنی اسماعیل کو" نادان قوم" یعنی غیر قوم تسلیم کررہے ہیں۔ اگر بنی اسماعیل آپ کے معنوں میں بنی اسرائیل کے " بھایئوں" میں سے ہیں۔ تو وہ غیر قوم کیسے ٹھیرے؟ مولوی صاحب نے اپنے قضیہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ خیال نہیں کیا کہ اجتماع الضدین ازروئے منطق محال ہے!

(۲)

صحیح اصول تفسیر کی رو سے اس آیت میں مسیحیت کی طرف اشارہ ہے جس نے تعصباتِ یہود کے خلاف یہود اور غیر یہود کو مساوی کردیا اور غیر یہود کوجو بوجہ" بغیر کتاب اور بغیر نبی" ہونے کے" نادان " اقوام تھیں بنی اسرائیل کی غیرت ، خفگی اور غصہ کا باعث ہوئے ۔چنانچہ اس امر کو حضرت کلمۃ اللہ نے انگورستان اور ضیافت کی تمثیلوں (متی ۲۱: ۳۳تا ۴۶۔ ۲۳: ۱تا ۱۱۔ لوقا ۱۴: ۱۲تا ۲۴) میں بیان فرمایا ہے ۔آپ نے بنی اسرائیل کوعلانیہ آگاہ کرکے فرمادیا(خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اوراس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائیگی)متی ۲۱: ۴۳۔ نیز دیکھو متی ۳: ۸تا ۱۰۔ یسعیاہ ۵: ۱تا ۷وغیرہ) مقدس پولوس رسول نے بھی اسی آیت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا" ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تم (بنی اسرائیل) کو سنایا جائے لیکن چونکہ تم اس کو رد کرتے ہو اوراپنے آپ کوہمیشہ کی زندگی کے ناقابل ٹھہراتے ہو تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف متوجہ کرتے ہیں"(اعمال ۱۳: ۴۶) ۔اسی مقام میں لکھا ہے کہ" یہودی ڈاہ سے بھر گئے "(آیت ۴۵) پس یہی امر یعنی غیر یہود کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کا تصور یہودیوں کی خفگی اور غصہ کا باعث ہوا۔ مولوی صاحب آیت (متی ۲۱: ۴۳) کا اقتباس کرکے کہتے ہیں کہ مسیح نے صرف بنی اسماعیل کی جانب اشارہ کیا ہے حالانکہ آنخداوند نے روئے زمین کی تمام اقوام کوجو دنیا کے چاروں گوشوں میں بستی

ہیں ، لفظ" قوم" میں شامل کرکے ان کو یہودیوں کے مقابل پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا" پورب اور پچھم اُتر اور دکھن سے لوگ آکر ابراہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے مگر تم اپنے آپ کو باہر نکلا ہوا دیکھوگے وہاں رونا اوردانت پیسنا ہوگا"(متی ۸: ۱۱تا ۱۲ولوقا ۱۳: ۲۸ دیکھو افسیوں ۳: ۶وغیرہ) یہی غیر اقوام وہ لوگ ہیں جو "پھل لائے"۔ اور منجئی عالمین پر ایمان لاکر خدا کی بادشاہی کے وارث ہوئے۔

لیکن مولوی صاحب اس صحیح تفسیر کوجو کلام اللہ پر مبنی ہے قبول نہیں کرتے اور لکھتے ہیں" عیسائی صاحبان اس آیت کو یونانیوں اور غیر قوموں پر جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے جماتے ہیں۔ مگر یہ آیت ان مذکورہ قوموں کے حق میں ہر گز نہیں ہوسکتی۔ اس بارہ میں ہم دودلیلیں قائم کرتے ہیں ۔اوّل یہ کہ ان قوموں کے ساتھ برکت اور برومندی کا وعدہ نہیں کیا گیا" توپھر اس سے کیا؟ کیا ضرور ہے کہ ہر برکت و برومندی صرف وعدہ کے ساتھ ہی ہو؟ کیا خدا وعدہ کئے بغیر برکت و برومندی عطا نہیں کرتا ؟ کیا ہر قوم کےساتھ جو برومند ہوئی وعدہ برومندی کہیں لکھاہے؟ اور تواریخ اس امر پر شاہد ہے کہ غیر اقوام جسمانی اور دنیاوی برکت و برومندی سے محروم نہیں رہیں۔ لیکن یہاں تو کوئی امر" وعدہ، برکت و برومندی" پر منحصر نہیں ہے۔ یہاں تو کسی اور قسم کا وعدہ مقصود ہے۔ غیر اقوام کا سیدنا مسیح پر ایمان لاکرایک ہونے کا وعدہ تو خدا کی طرف سے پہلے ہوچکا تھا اوران غیر اقوام میں بنی اسماعیل بھی شامل ہیں۔جو سب کے ساتھ ایماندار ہو کر ابراہیم کے فرزند ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ مقدس پولوس فرماتاہے" یہ جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہام کے فرزند ہیں اور کتاب مقدس نے پیشتر سے یہ جان کر کہ خدا غیر قوموں کو ایمان سے راستباز ٹھہرائیگا پہلے ہی سے ابراہام کو یہ خوشخبری سنادی کہ تیرے باعث سب قومیں برکت پائیں گی پس جو ایمان والےہیں وہ ایماندار ابراہام کےساتھ برکت پاتے ہیں"(گلتیوں ۳: ۷تا۸۔ نیز دیکھو لوقا ۱۹: ۹تا ۱۰۔ رومیوں ۳: ۲۹تا ۳۰وغیرہ) پس تمام غیر یہود کا رجوع لاناوعدہ ابراہیمی کے عین موافق ہے۔

مولوی صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ " ان یونانیوں اور غیر قوموں کو کسی دانا اور عقل مند شخص نے آج تک " نادان قوم" نہیں کہا بلکہ اس یونانی قوم کو انجیل مقدس میں ایک دانا اور حکمت والی قوم کہا گیا ہے" (صفحہ ۷) لیکن مولوی صاحب ابھی چند سطریں اوپر " نادان قوم" کی تعریف خودہی کر چکے ہیں یعنی وہ قوم جو" بغیر کتاب اور بغیر نبی کے" ہو اور یونانیوں اور غیر قوموں" کے" بغیر کتاب اور بغیر نبی ہونے کے مولوی صاحب بھی منکر نہیں ہوسکتے ۔ پس آپ جیسے " دانا اور عقلمند" نے یونانیوں کو خود" نادان قوم" تسلیم کرلیا ۔ یہ درست ہے کہ علم وفلسفہ میں یونانیوں (نہ کہ تمام غیر اقوام) " ایک دانا اور حکمت والی قوم " تھی لیکن وہ باوجود اپنے علم وفلسفہ کے " بغیر کتاب اور بغیر نبی" ہونے کی وجہ سے " نادان قوم" تھی اور

صحیح عرفان الہیٰ سے محروم تھی ۔چنانچہ مقدس پولوس رسول فرماتے ہیں " انہوں نے اگرچہ خدا کو جانا مگر عرفان الہیٰ کے نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس کی خدائی کے لائق اس کی تمجید اور شکر گزاری نہ کی بلکہ باطل خیالات میں پڑگئے اوران کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا چھا گیا"(رومیوں ۱: ۲۱)۔

پس ہمارے مخاطب کی دونوں دلیلیں غلط ہیں اورجو تفسیر ہم نے مولوی صاحب کی پیش کردہ آیت (استثنا ۳۲: ۲۱) کی بتلائی ہے وہی صحیح ہے اور کتاب مقدس کے مطابق ہے۔ چنانچہ مقدس پولوس فرماتاہے " یہودیوں اوریونانیوں میں کچھ فرق نہ رہا اس لئے کہ وہی سب کا خداوند ہے اوران سب کے واسطے جو اس کا نام لیتے ہیں فیاض ہے۔ موسیٰ کہتاہے کہ میں ان سے تم کو غیرت دلاؤنگا جو قوم ہی نہیں۔ ایک نادان قوم سے تم کو غصہ دلاؤنگا ۔ یسعیاہ بھی کہتاہے ۔" جنہوں نے مجھے نہیں ڈھونڈا انہوں نے مجھے پالیا۔ جنہوں نے مجھے نہیں پوچھا ان پر میں ظاہر ہوگیا۔ لیکن اسرائیل کے حق میں وہ کہتاہے کہ میں دن بھر ایک نا فرمان اور حجتی اُمت کے کی طرف اپنےہاتھ بڑھائے رہا"(رومیوں ۱۰ باب) یہ آیات سیدنا مسیح کی ضیافت والی تمثیل کی الہامی تفسیر ہیں۔ پولوس رسول بتاکید فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کی پیش کردہ آیت میں غیر قوموں کے یہودیوں کے ساتھ مساوی حقوق میں داخل ہونے کی خبر ہے اوریہ بات یہودیوں کی غیرت، خفگی اور غصہ کا باعث بنی (اعمال ۱۲باب وغیرہ) مقدس پولوس خود کھلم کھلا فرماتے ہیں " میں غیر قوموں کارسول ہوکر تم غیر قوم والوں سے بولتاہوں تاکہ میں کسی طرح اپنے قوم والوں کو غیرت دلاؤں ۔"(رومیوں ۱۱: ۱۳تا۱۴)۔

فصل دوم

عدم نبوتِ اسماعیل ازروئے قرآن

انصاف پسند ناظرین پر گذشتہ فصلوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوگیاہوگا کہ تورات مقدس کی روسے نبوت حضرت ابراہیم کو اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے صرف حضرت اضحاق کو عطا کی گئی ۔ حضرت اضحاق کی اولاد میں سے صرف حضرت یعقوب کو اس برکت سے سرفراز فرمایا گیا۔ خدا نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھاکہ" تیری نسل سے دنیا کی تمام قومیں برکت پائیں گی" یہی وعدہ حضرت اضحاق سے ان کے بعد حضرت یعقوب سے کیا گیاچنانچہ خدا نے حضرت ابراہیم کی موت کے بعد حضرت اسماعیل کو اس وعدہ سے خارج کرکے حضرت اضحاق سےکہا" زمین کی سب قومیں تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائیں گی" (پیدائش ۲۶: ۴) اورپھر حضرت اضحاق کے پہلوٹھے بیٹے حضرت عیسو کی اس وعدہ سے خارج کرکے حضرت یعقوب سے فرمایا گیا" زمین کے تمام گھرانے تیرے اور تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائیں گے"(پیدائش ۲۸: ۱۴) یوں حضرت اسماعیل اوران کے بعد حضرت عیسو نبوت کی برکتِ عظمیٰ سے خارج ہوئے۔

قرآنی آیات

قرآن مجید بار بار اس امر کا علاج کرتاہے کہ وہ تورات شریف کا مصدق ہے اور جب ہم قرآن کاغور وتدبر کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں توہم پر یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ نبوتِ اضحاق واسماعیل کے بارے میں وہ بعینہ وہی بات کہتاہے کہ جو تورات کہتی ہے ۔ قرآن عدم نبوتِ اسماعیل کی تائید اور تصدیق کرتاہے ۔ چنانچہ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱۔) ہم (خدانے) اس عورت (بی بی سارہ) کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (ہودع ۷آیت ۷۴)۔

(۲۔) ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا اور ہم نے سب کو ہدایت دی (سورہ انعام ع ۱۰ آیت ۸۴)۔

(۳۔) (اے محمد) ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے (یعنی صاحبِ اعمال ومعارف) تھے ۔اورہم نے ان کو ایک خاص بات کے لئے یعنی ذکرِ آخرت کے لئے چنا۔ اور بے شک وہ سب)ہمارے ہاں برگزیدہ نیک بندوں میں ہیں ۔ اوراسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کرو اور (ان میں سے) ہر ایک خوبی والا تھا(سورہ ص ۔ ع ۴۔ آیت ۴۵تا ۴۸)۔

(۴۔) جب وہ (ابراہیم) ان سے اور اللہ کے سوائے ان کے معبودوں سے جن کو وہ پکارتے تھے الگ ہو گیا توہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب بخشا اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اوران تینوں (ابراہیم ، اسحاق اور یعقوب) کو ہم نے اپنی رحمت سے (سب کچھ) دیا اور ہم نے ان کے لئے اعلیٰ درجہ کا ذکرِ خیر (باقی) رکھا۔ (سورہ مریم ع ۳آیت ۴۹)۔

(۵۔) ہم نے ابراہیم کو اسحاق بخشا اور یعقوب انعام میں دیا۔ اور سب کو نیک بخت کیا اور ہم نے ان کو (قوم کا) پیشوا اور امام بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے (سورہ انبیاء ع ۵ آیت ۷۲ تا۷۳)۔

(۶۔) اورہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب بخشا اوران کی نسل میں نبوت اور (نزول) کتاب کو (جاری) رکھا اورہم نے اس کا اجر اسے دنیا میں دے دیا اورآخرت میں وہ نیکوں میں ہے"(سورہ عنکبوت ع ۳۔ آیت ۲۶)۔

(۷۔)اے بنی اسرائیل ۔ میرا وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ہے اوراس بات کو بھی (یاد رکھو) کہ میں نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں پر فوقیت بخشی (سورہ بقرع ۶ ۔آیت ۴۴)۔

(۸۔) البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اورحکومت اور نبوت عنایت فرمائی اور تمام جہان پران کو فضیلت اور فوقیت بخشی (سورہ جاثیہ ع ۲ آیت ۱۵)۔

آیات قرآنی پر تبصرہ

جب ہم ان آیاتِ قرآنی کا بغور تدبر مطالعہ کرتے ہیں توہم پر ظاہر ہوجاتاہے کہ:

پہلی آیت میں حضرت ابراہیم کی بیوی بی بی سارہ کو حضرت اسحاق کی بشارت دی جاتی ہے اور حضرت اسحاق کے بعد یعقوب" کی بشارت دی گئی ہے۔ تمام قرآن میں کسی ایک مقام میں بھی حضرت اسماعیل کی پیدائش کی بشارت کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اور نہ کسی جگہ حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیسو کا ذکر ہے۔ پس قرآن کے مطابق دونو ابراہیمی وعدہ سے خارج ہوئے۔ حضرت ابراہیم" کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت" دی گئی ہے اور یہ عین تورات شریف کے مطابق ہے۔

دوسری آیت میں بھی یہی مذکور ہے کہ "حضرت ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا" گیا اوران تینوں کو خدا کی طرف سے "ہدایت" دی گئی۔ اس آیت میں بھی ابراہیم کے ساتھ اسماعیل کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسماعیل خدا کی بخشش میں شامل نہیں تھے۔ ورنہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے" ہم نے ابراہیم کو اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب بخشا"۔ پس اس آیت کے مطابق بھی حضرت اسماعیل وعدہ نبوت کی بخشش سے خارج ہیں۔

تیسری آیت میں بھی اوپر کی دو آیات کی مانند ابراہیم کے بعد اسماعیل کا نام نہیں آتا۔ بلکہ اسحاق اور یعقوب کا نام آتاہے۔ اوران کے ناموں کے ساتھ ان کے تین اوصاف کا ذکر کیا جاتاہے۔ اول کہ وہ صاحبِ اعمال ومعارف تھے۔ دوم۔ کہ وہ خدا کے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔ اور سوم۔ کہ خدا نے ان کو کسی خاص مقصد کی خاطر چنا تھا۔ جس کی وجہ سے بقول امام رازی انہوں نے دارِ آخرت میں اپنے لئے ایک بلند اور جلیل ذکر حاصل کیا۔

اگر حضرت اسماعیل کو بھی یہی مرتبہ حاصل ہوتا تو واجب تھا کہ ان کا ذکر بھی حضرت ابراہیم کے بعد اوراسحاق سے پہلے یا کم از کم اسحاق کے ساتھ کیا جاتا لیکن آیت سے ان کا نام ایسا خارج کیا گیاہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے کنبے میں ہی نہ تھے۔ اور یہ تورات کی آیت کے مطابق ہے کہ ابراہیم کی نسل اضحاق سے کہلائیگی "(پیدائش ۲۱: ۱۲- ۲۲: ۲)

علاوہ ازیں یہ امر حیرت کا موجب ہے کہ خدا اس آیت میں آنحضرت کو یہ حکم تو دیتاہے کہ وہ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ذکر کریں اوران کے علم وعمل کی فضیلت کا بیان کریں۔ لیکن ان کواپنے جدِ امجد اسماعیل کاذکر کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ یہ بھی مقامِ تعجب ہے کہ حضرت اسماعیل کا ذکر ان خاص اشخاص میں نہیں آتا جو صاحب علم وعمل خدا کے برگزیدہ نیک بندے تھے اورجن کو خاص مقصد کے ماتحت مشورت الہیٰ نے چنا تھا۔

اس قرآنی آیت میں ایک اور امر قابل غور ہے۔ اس میں کسی حضرت اسماعیل کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کا نام آیت کے آخر میں ابراہیم اسحاق اور یعقوب سے بالکل الگ کیا گیا ہے۔ اور الیسع اور ذوالکفل جیسے مقابلتہً گمنام اور

چھوٹے نبیوں کے ساتھ آیا ہے جو حضرت ابراہیم اسحاق، اوریعقوب کے صدیوں بعد پیدا ہوئے اور جن کو موافق قرآنی آیت اور " ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی " (بقر ع ۳۳) فقط" خوبی والوں" میں شمار کیا گیا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر بعض مفسرین قرآن یہ خیال کرتے ہیں کہ یہاں اور اوپر کی دو آیات میں جس" اسماعیل" کاذکر آیا ہے وہ ابراہیم اورہاجرہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ کوئی غیر مشہور نبی تھے جن کان ام ذوالکفل جیسے غیر مانوس نام کے ساتھ اکٹھا کیا گیا ہے ۔ ان مفسرین کےمطابق اس مقام میں اسماعیل بن ابراہیم کا ذکر بے محل ہے کیونکہ حضرت الیسع ،حضرت ابراہیم کے قریباً سات صدیاں بعد ظاہر ہوئے پس قرآن نے ان اسماعیل " کو قوم آخرین کےساتھ شامل کیا ہے۔ جوابراہیم سے صدیوں بعد دنیا کے کسی گمنام گوشہ میں خدا کے مرسل ہو کر آئے تھے اور "خوبیوں والے " آدمی تھے لیکن وہ کوئی بڑے نبی نہ تھے کیونکہ وہ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی مانند نہ توصاحبِ معارف روحانی تھے اور نہ صاحب قوت تھے۔

مفسرینِ قرآن کی اس تفسیر میں یہ خوبی ہے کہ وہ قرآن کو تورات کے مطابق بنادیتی ہے اور قرآن کا دعویٰ کہ مصدقِ تورات ہے بحال رہتاہے۔ مزید برآں اس آیت سے یہ نتیجہ بھی مستنبط ہوتاہے کہ اگر اسحاق ویعقوب کا اکٹھا ذکر کرنے سے ان کا ذکر کرنا مقصود تھا جوابراہیم کی نسل سے ہونے والے تھے تو ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیل کا ان کے ساتھ اکٹھا ذکر نہ کرنے سے یہ ثابت ہوتاہے کہ ان کی نسل سے کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اور یہ عین تورات کے مطابق ہے۔

چوتھی آیت صاف طور پر واضح کردیتی ہے کہ حضرت ابراہیم کو نبوت عطاہوئی اوراس کے بعد اسحاق کو اوراس کے بعد یعقوب کوملی۔ اس مقام میں بھی حصرت ابراہیم اور اضحاق کے ساتھ اسماعیل کاذکر نہیں آتا۔

اس صورت کے اگلے رکوع میں کسی حضرت اسماعیل کا ذکر آتاہے جو " وعدوں کا سچا اور رسول نبی تھا"۔ لیکن یہ اسماعیل ابن ابراہیم نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ان اسماعیل کا ذکر حضرت ابراہیم کے بعد نہیں آتا بلکہ حضرت موسیٰ اور ہارون اور ادریس کے درمیان آتاہے ۔ جو حضرت ابراہیم سے تین صدیاں بعد مبعوث ہوئے تھے۔ اگر یہ اسماعیل ابن ابراہیم ہوتے اوراپنے باپ کی مانند نبی ہوتے تو قدرتی تقاضا یہی تھا کہ ان کا نام حضرت ابراہیم کے بعد اورحضرت اسحاق سے پہلے یا کم از کم ساتھ ہوتا۔ لیکن وحی نے ایسا نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اسماعیل کوئی اور نبی تھے جو نہ تو ابراہیم کے لئے خدا کی طرف سے عظیم بخشش تھے اور نہ ان سے متعلق تھے۔

ہم نے مفسرین کی یہ تاویل قبول کرلی ہے جس سے قرآن اپنا پہلو بچاسکتا ہے اوراس کے مصدقِ تورات ہونے کا دعویٰ برقرار رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر مسلم مناظرین بضد ہو کر کسی قرآنی آیت سے حضرت اسماعیل کی نبوت کرنا

چاہیں تو ان کو نہ صرف ان تمام سوالات کا تسلی بخش جواب دینا ہوگا جو ہم نے ان آیات کی بحث میں پوچھے ہیں بلکہ ان کے علاوہ ان کو یہ بھی بتلانا ہوگا کہ قرآن کے مختلف مقامات میں باہمی تضاد کی وجہ کیاہے کیونکہ بعض مقامات میں ان مناظرین کے مطابق حضرت اسماعیل کی نبوت کا اقرار ہوگا اور بعض مقامات میں جہاں اس کی نبوت کا ذکر لازمی اورلابدی تھا وہاں خاموشی اختیار کرلیتا ہے جو معنی خیز ہوکر انکار نبوت کے برابر ہے۔ علاوہ ازیں اگر قرآن کسی آیت میں نبوت اسماعیل کا مدعی ہے تو اس کا مصداق تورات ہونے کا دعویٰ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے ؟ کیونکہ تورات اس کی نبوت کا صریحاً انکار کرتی ہے۔

پانچویں آیت۔ ابن کعب ، ابن عباس، قتادہ، الخرا، اور زجاج کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم نے خدا سے ایک بیٹے کے لئے سوال کیا"(اے خدا مجھے ایک نیا بیٹا بخش) تو خدا نے آپ کی دعا قبول کی اور دعا کے جواب میں اسحاق بخشا، اور یعقوب کو بطور زائد انعام عطا کیا اور تینوں کو نبی بنایا اور جو اپنی قوم کو خدا کی طرف سے ہدایت کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ اوپر قرآنی آیت میں یہی آیا ہے کہ خدا نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا اور ان تینوں کی تفصیل جدا جدا طریق پر کی گئی ہے۔ سب کو ہدایت دی۔ سب کو صاحبِ علم وعمل بنایا۔ سب کو امام بنایا اور سب کو نبوت کا درجہ عطا کیا۔ کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ خدا کی غایت حسنہ کا تعلق اسماعیل سے نہیں تھا بلکہ اسحاق اور یعقوب سے تھا۔ قرآن مجید ، جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ اس امر میں تورات شریف کی تصدیق کرتاہے۔ اگر خدا نے اسماعیل کو بھی منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا ہوتا اور اگر اس کی غایت دونوں کے لئے مساوی ہوتی تو اس کا ذکر اسحاق کے ذکر سے اگر پہلے نہیں تو کم از کم ساتھ ہوتا اور پوتے کے ذکر سے تو لازمی طور پر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ اس حالت میں یہ آیت یوں ہوتی " ہم نے ابراہیم کو اسماعیل اور اسحاق بخشا" یوں ہوتی " ہم نے ابراہیم کو اسحاق بخشا اور اسماعیل کو انعام میں دیا"۔ لیکن وحی الہیٰ نے اس طبعی اور عادی امر کو قطعی طور پر نظر انداز کردیاہے۔ آخر اس کو کوئی وجہ تو ہونی چاہیے ؟ تورات مقدس کی روشنی میں اس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب کے علاوہ کوئی " بیٹا" نہیں بخشا۔ حضرت ابراہیم کی کسی حرم (ہاجرہ، قطورہ وغیرہ) کے بیٹے کو انعام کے طور پر بھی " بیٹے" کا درجہ نہیں دیا گیا۔اور یہ تورات کی نص کے مطابق ہے کہ " اضحاق سے تیری(ابراہیم کی نسل)کا نام چلیگا"(پیدائش ۲۱: ۱۲) اور کہ اضحاق ابراہیم کا " اکلوتا بیٹا تھا(۲۲: ۲)۔ اس قرآنی آیت کے مطابق جس طرح اسماعیل کو یہ درجہ نہیں دیا بلکہ وہ اپنے بھائی اور بھتیجے کے ساتھ خدا کے عطیہ میں شمار ہوا اسی طرح اس کو چوتھی آیت کے مطابق یہ درجہ نہیں ملا کہ وہ ان کے ساتھ نبوت میں شریک ہو۔

چھٹی آیت قطعی طور پر اس امر کو ثابت کردیتی ہے کہ حضرت اسماعیل ابراہیمی وعدے اور برکتِ عظمیٰ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔ اگر اسماعیل آلِ اسماعیل میں سے کسی فرد کا نبوت و کتاب کے ساتھ واسطہ ہوتا تو اس آیت میں ضرور اس کا نام اس کے چھوٹے بھائی اضحاق اور بھتیجے یعقوب سے پہلے آتا۔

اور اگر اسماعیل کوئی ایسے شخص ہوتے جن کی نسل سے ایک ایسا نبی برپا ہونا تھا جس کی بقولِ علمائے اسلام خدا نے انبیائے سابقین کی معرفت پیش خبری دی تھی اور جس کو سید المرسلین بنا کر خدا نے عالم وعالمیان کی ہدایت کے واسطے بھیجنا تھا تو اس مقام پر اس بات کی وضاحت ایک لازمی اور لابدی بات تھی۔ لیکن وحی نے ایسا نہیں کیا جس سے صرف یہی ایک نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب نہ صرف خود نبی تھے بلکہ انبیاء کی جڑ تھے کیونکہ خدا نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو جاری رکھا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت اسماعیل نہ تو خود نبی تھے اور نہ کسی آنے والے نبی کی جڑ تھے چہ جائیکہ ان کی نسل سے کوئی ایسا نبی برپا ہو جو رحمتہ اللعالمین ہو۔

پس قرآن شریف واضح طور پر تورات مقدس کی تائید اور تصدیق کرکے کہتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اپنے لوگوں کو چھوڑا تو خدا تعالیٰ نے اس کی فرمانبرداری کے عوض اس کی دعا قبول فرمایا اور اضحاق عطا کیا اور اس کے بیٹے اور پوتے کو نبوت کے عہدے پر ممتاز فرمایا۔ خدا نے ابراہیم کو نعم البدل کے طور پر اسماعیل نہ بخشا۔ خدا نے نہ تو اسماعیل کو نبی بنایا اور نہ اس کو کسی عظیم نبی کی جڑ یا اصل ٹھہرایا اور نہ اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھا۔ اس آیت کے مطابق نبوت اور کتاب کی برکت صرف اضحاق اور یعقوب کی نسل سے بلاشرکت غیرے مخصوص ہے۔ قرآن شریف کسی ایک مقام میں بھی واضح اور صریح طور پر نہیں کہتا کہ "ہم نے ابراہیم کو اسماعیل بخشا اور اس کی نسل میں نبوت اور نزول کتاب کو جاری رکھا"۔ اور یہ امر نہایت معنی خیز ہے۔

اس قرآنی آیت میں ایک اور امر بھی قابلِ غور ہے۔ چونکہ وہ " ذریت جس میں "نبوت" رکھی گئی ہے اضحاق اور یعقوب کی نسل میں ہے پس لامحالہ الفاظ " الکتاب" سے وہی کتاب مراد ہوسکتی ہے جو اس " ذریت " کے پاس ہے یعنی بین یدیہ۔ کیونکہ " الکتاب " اور نبوت" باہمی تعلق ہیں۔ پس یہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ " نبوت " تو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی ذریت سے مخصوص ہو لیکن" الکتاب " مخصوص نہ ہو جو اس سے متعلق ہے۔ پس یہاں "الکتاب" سے مراد "بائبل " شریف ہے۔ عربی لفظ" الکتاب" یونانی لفظ" بائبل" کا لفظی ترجمہ ہے۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ حافظ نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ" ہم نے ان کی نسل میں پیغمبری اور (نزول) کتاب کو (جاری) رکھا ہماری اس تفسیر کی تائید کرتا ہے جو ہم نے بابِ دوم کی فصل اوّل میں استثنا ۱۸ : ۱۵ کی

کرآئے ہیں ۔ کہ بنی اسرائیل میں خدا نے نبوت اور کتاب کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اگر مرحوم کا ترجمہ قرآن کی عربی آیت کے مفہوم کو صحیح طور پر ادا کرتا ہے تو یہ قرآنی آیت ہماری تفسیر بالا کی تائید کرتی ہے۔

ساتویں آیت میں الفاظ انی فضلتکمہ علی العالمین وارد ہوئے ہیں یعنی اے بنی اسرائیل میں نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں پر فوقیت عطا کی ہے۔ ان الفاظ کے بارے میں متکلمین کا قول ہے کہ " عالمین " سے مراد خدا کے علاوہ کل موجودات ہے۔ یہ قول فضل کے لحاظ سے مطلق ہے اور ہم منتطق میں مطلق بات کے سچا ہونے کے لئے صرف صورتِ واحد کافی ہے پس اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو کسی ایک امر میں تمام دنیا جہان پر بزرگی بخشی گئی۔ قرآن مجید اس فضیلت کا ذکر بار بار کرتا ہے اور اس کی سورہ عنکبوت کے ع ۳ یعنی اوپر کی چھٹی آیت میں تخصیص کرکے بتلاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں "نبوت او رنزول کتاب کو جاری رکھا گیا"۔ پس قرآن تورات شریف کی تصدیق کرکے کہتا ہے کہ خدا نے اس وعدہ کے مطابق جو اس نے ابراہیم ، اضحاق اور یعقوب سے کیا تھا بنی اسرائیل میں نبوت اور کتاب دے کر اس کو" مساوی قومو کی برکات کا باعث " بنادیا۔ کتاب مقدس میں بار بار آیاہے کہ قوم بنی اسرائیل کو خدا نے اقوامِ عالم میں چن لیاتا کہ اس کے ذریعہ اپنی نجات کا نور دنیا جہان کی اقوام میں پھیلائے(زبور ۱۲۵ : ۴۔ استثناے: ۶۔ ملاکی ۳: ۱۷ وغیرہ) اہل یہود کی روزانہ دعا میں یہ فقرہ آتاہے " اے خداوند ہمارے خدا کل کائنات کے بادشاہ ۔ تومبارک ہے کہ تونے ہم کو اقوام عالم میں سے چن لیا ہے"۔ ہم اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ " اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجئی"؟ لکھے چکے ہیں اور ناظرین کی توجہ اس کی طرف مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس قرآنی آیت میں نہایت صاف الفاظ میں خدا نے اسماعیل اور بنی اسماعیل کو خارج کرکے صرف بنی اسرائیل کو ہی تمام اقوام عالم (جن میں قوم بنی اسماعیل بھی شامل ہے) پر فضیلت بخشی ہے اور صرف اسی میں نبوت اور کتاب ودیعت فرمائی ہے۔ اگر خدا نے علیم وحکیم نے (بقول اہل اسلام) بنی اسماعیل کو سید الانبیاء اور حبیبِ خاص کے برپا ہونے کے لئے مخصوص کیا ہوتا تولازمی طور پر بنی اسماعیل بنی اسرائیل سے افضل ہوتے اور خدا نے حضرت اسماعیل کی ذریت میں نبوت او رکتاب دے کر اس کو دنیا جہاں کی اقوام پر فضیلت بخشی ہوتی۔

آٹھویں آیت میں بھی وضاحت کے ساتھ قرآن شریف اس فضیلت اور فوقیت " کی تخصیص کرکے کہتا ہے " ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت او رنبوت عطا فرما کر ان کو تمام جہان پر فضیلت اور فوقیت بخشی"۔ یہ آیت نہایت محکم طور پر ثابت کرتی ہے کہ مذکورہ بالا تمام آیات اور بالخصوص چھٹی آیت میں ابراہیم کی جس نسل میں کتاب اور نبوت رکھی گئی وہ بنی اسرائیل اور صرف بنی اسرائیل ہی تھی۔ حضرت اسماعیل اور بنی اسماعیل

کتاب اور نبوت سے خارج ہیں۔ اور نہ ان کو " تمام جہان پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ " بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھونگا میں اسے بہت برومند کرونگا۔ قومیں اس کی نسل سے ہونگی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہونگے"(پیدائش ۱۷: ۱۶تا ۱۹) پس یہ قرآنی آیت کہ " بنی اسرائیل کو کتاب اورحکومت اور نبوت عطا ہوئی" تورات شریف کی لفظ بلفظ تصدیق کرتی ہے۔

تاریخ مذاہب بھی اس صداقت کی تائید کرتی ہے کہ جب سے بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل الگ ہوئے یعنی سن ہجری سے دوہزار سال پہلے سے کوئی نبی آلِ اسماعیل سے برپا نہیں ہوا۔ اس طویل عرصہ میں صرف بنی اسرائیل ہی میں انبیاء اللہ کا سلسلہ قائم وبرقرار رہا۔ پس تاریخ دنیا بھی یہی بتلاتی ہے کہ کتاب اور نبوت صرف بنی اسرائیل کو ہی دی گئی اور ہر دوامور میں اس قوم کو اقوامِ عالم پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔

ہم نے فصل میں چند قرآنی آیات پر مفصل تبصرہ کیاہے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب کی نبوت کا ذکر ہے۔ اور ثابت کردیاہے کہ ان آیات میں حضرت اسماعیل اورآلِ اسماعیل کو ابراہیمی وعدہ اور نبوت کی برکتِ عظمیٰ سے خارج کیا گیا ہے۔ اور واضح کیا گیاہے کہ خدا نے ابراہیم اوران کے بعد اضحاق اوران کے بعد یعقوب اور بنی یعقوب (بنی اسرائیل) ہی میں انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور صرف انہی کو الکتاب دی گئی جو خدا کا سچا کلام ہے۔(سورہ عمران ع ۱ - توبہ ع ۱۴ وغیرہ)۔

باب ششم

ذبیح ۔ اضحاق یا اسماعیل ؟

تورات وقرآن کے بیانات

تورات شریف نہایت واضح الفاظ میں حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ بتلاتی ہے چنانچہ لکھاہے:

" ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اوراس سے کہا اے ابراہام، اس نے جواب دیا میں حاضر ہوں۔ تب خدا نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتاہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جومیں تجھے بتاؤنگا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دوجوانوں اوراپنے بیٹے اضحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لئے

لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اس جگہ کو جو خدا نے اسے بتائی تھی روانہ ہوئے۔ تیسرے دن ابراہام نے نگاہ کی اوراس جگہ کو دور سے دیکھا۔ تب ابراہام نے اپنے جوانوں سے کہا تم یہیں گدھے کے پاس ٹھہرو۔ میں اور یہ لڑکا دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کرکے پھر تمہارے پاس لوٹ آئینگے۔ ابراہام نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے اضحاق پر رکھیں اور آگ اور چھُری اپنے ہاتھ میں لی اور دونوں اکٹھے روانہ ہوئے۔ اوراس جگہ پہنچے جو خدا نے بتائی تھی۔ وہاں ابراہام نے قربان گاہ بنائی اوراس پرلکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اضحاق کو باندھا اوراسے قربان گاہ پرلکڑیوں کے اوپر رکھا۔ ابراہام نےہاتھ بڑھا کر چھُری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے تب خداوند کے فرشتے نے اسے آسمان سے پکارا اورکہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ توخدا سے ڈرتا ہے اس لئے کہ تونے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ کیا۔ چونکہ تونے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لئے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دونگا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اورسمندر کی کے کنارے کی ریت کی مانند کردونگا۔ اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائینگی کیونکہ تونے میری بات مانی ۔ تب ابراہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ گیا"(پیدائش ۲۲ باب)۔

قرآن شریف میں سورہ صافات کے رکوع ۳ میں قربانی کی نسبت یوں لکھاہے۔

حضرت ابراہیم نے خدا سے دعا کی "اے رب مجھ کو کوئی نیک بیٹا بخش۔ پھر ہم نے اس کو ایک ایسے نیک بیٹے کی خوشخبری دی جو تحمل والا ہوگا۔ جب وہ اس (باپ) کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو (باپ نے) کہا اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔ پھر دیکھ کہ تو کیا دیکھتا ہے۔ وہ بولا اے باپ جو تجھ کو حکم ہوا ہے وہ کرڈال۔ اللہ نے چاہا تو مجھ کو سہارنے والا پائیگا۔ پھر جب دونوں حکم مانا اورا سکے ماتھے کے بل پچھاڑ توہم نے اس کو پکار کر یہ کہا کہ اے ابراہیم تونے خواب کو سچ کر دکھلایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کوبدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ تیری صریح آزمائش ہے۔ اور ہم نے پچھلے خلق میں یہ باقی رکھا کہ سلام ہے ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یوں بدلہ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں ہے اورہم نے اس کی خوشخبری دی کہ اضحاق نیک بختوں میں نبی ہوگا۔ اورہم نے ابراہیم پر برکت دی اور اضحاق پر (بھی برکت دی) اور دونوں کی اولادمیں نیکی کرنے والے ہیں اور اپنے حق میں صریح بدکار بھی ہیں"(آیات ۹۸ تا ۱۱۳)۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قرآن کا بیان ہربات میں تورات شریف کی مذکورہ بالاآیات کی تصدیق کرتاہے۔ لیکن چونکہ اس بیان کے شروع میں اضحاق کا نام نہیں ہے ۔ لہذا بعض مسلم مناظرین کہتے ہیں کہ یہاں

قرآن مجید کا مطلب حضرت اسماعیل سے ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ اگر قرآنی بیان توریت کے مطابق نہیں ہے تو اسی کا نقصان ہے کیونکہ تورات شریف کی تاریخ قرآن مجید سے قدیم تر ہے پس اسکے مقابل قرآن کے سخن کو ازروئے قوانین شہادت کسی طرح بھی وقعت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اضحاق ذبیح اللہ ازروئے قرآن

ہمارے مخاطبوں کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ قرآن کسی مقام میں بھی حضرت اسماعیل کا نام لے کر یہ نہیں کہتا کہ وہ قربان ہونے والے تھے۔ اگر فی الواقعہ حضرت اسماعیل ازروئے قرآن ذبیح اللہ ہوتے تو قرآن ان کا نام ضرور لیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے ۔ قرآن نے ذبیح اللہ کے نام کی تخصیص اس واسطے نہیں کی کیونکہ جملہ یہود و نصاریٰ نے تورات شریف کی بناء پر یہ جانتے اورمانتے تھے کہ حضرت اضحاق ہی ذبیح اللہ ہیں۔ اس معہود ذہنی کی وجہ سے قرآن مجید کو نام لینے کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوئی ۔ بالخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن بار بار مصدقِ تورات ہونے کا دعویٰ کرتاہے اوراس خاص امر میں اس کے بیان کی ضرور بضرور ابن ابراہیم کا نام لے کر یہودہ و نصاریٰ کو کہتا ہے کہ اے اہل کتاب تم نے اور تمہاری تورات نے ذبیح اللہ کے معاملہ میں غلطی کھائی ہے میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمہارے جدِ امجد اضحاق ذبیح اللہ نہیں تھے بلکہ وہ میرے فرستادہ رسول کے جد امجد اسماعیل تھے۔ لیکن قرآن یہ نہیں کہتا جس سے ظاہر ہے کہ اس کو اس معاملہ میں تورات سے اختلاف نہ تھا۔ پس چند مفسرین کی رائے صحفِ سماوی کے متفقہ بیانات کے مقابل کچھ وقعت نہیں رکھ سکتی۔

مفسرین کی دلیل

قرآن کے بیان کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتاہے کہ اس میں اور تورات کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں لیکن یہ چند مفسرین گمان کرتے ہیں کہ اس بیان کی آخری آیت "(اورہم نے اس کو اضحاق کی خوشخبری دی جو نیک بختوں میں نبی ہوگا") حضرت اضحاق کی پیدائش کی خبر ہے۔جو قربانی گذراننے کے بعد ملی۔ پس ان مفسروں کی رائے میں قربانی حضرت اضحاق کی ولادت سے پہلے واقع ہوئی اور اسماعیل قربان ہونے والے تھے کیونکہ وہ اضحاق سے پہلے تھے۔

لیکن یہ قیاس بالکل باطل ہے کیونکہ اول توقرآنی بیان ہی سے یہ معلوم ہوجاتاہے کہ اس بشارت کے وقت اضحاق موجود تھے اور دوم تورات اور قرآن دونوں میں صاف پایا جاتاہے کہ ابراہیم کو ولادت اضحاق کی خوشخبری قربانی کے بعد نہیں ملی تھی بلکہ امت لوط کی ہلاکت کے قبل ملی تھی (پیدائش ۱۸ باب)۔ قرآن میں بھی یہ قصہ سورہ ہود اور حجر اور ذاریات میں مرقوم ہے کہ فرشتے قوم لوط کو ہلاک کرنے جاتے تھے اثنائے راہ میں انہوں نے ابراہیم کی مہمانی قبول کی اورکہا" ہم تجھ کو ایک ہوشیار لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں"۔

جب اس نے اور اس کی بیوی نے اپنی ضعیفی کا خیال کرکے یقین نہ کیا اور بہت متعجب ہوئے تو فرشتے نے دونوں کا اطمینان کیا(حجر ع ۳۔ ذاریات ع ۲)پس ان مفسرین کا یہ خیال کہ ولادتِ اضحاق کی خبر قربانی کے بعد دی گئی تورات وقرآن کے متفقہ بیان کے خلاف ہے اور باطل ہے۔ یہ خوشخبری توان کومدتوں پہلے مل چکی تھی۔

قرآنی بیان سے استدلال

سورہ صافات کے بیان سے نہایت واضح طورپر ثابت ہوتاہے کہ

اضحاق ذبیح اللہ تھے:

(۱۔) ذبیح اللہ وہی تھے جو حضرت ابراہیم کے فرزند موعود تھے۔ اس فرزند کی تولد کی بشارت ان کے دعا کے جواب میں ان کو دی گئی ۔ قرآن میں تولدِ اضحاق کا وعدہ صاف اور واضح الفاظ میں موجودہے۔مگر قرآن کے کسی مقام میں بھی تولدِ اسماعیل کی کوئی بشارت نہیں پائی جاتی ۔ حضرت ابراہیم نےاسی فرزند کو نذر کیا تھا جس کی بشارت ان کو دی گئی تھی ۔ پس یہ فرزند حضرت اسماعیل نہیں تھے بلکہ حضرت اسحاق تھے۔

(۲۔) جب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ" اے رب مجھ کو کوئی نیک بیٹا بخش"(جس کو بعدہ قرآن کے مطابق انہوں نے نذر گزرانا) تو وہ ضرور اپنی حقیقی بی بی سارہ کے بطن سے کوئی بیٹا چاہتے تھے کیونکہ یوں توان کے کئی بیٹے تھے۔ایک ہاجرہ سے چھ قطورہ سے تھےمگر یہ سب حرموں کے بطن سے تھے جن کووہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتاجواضحاق کوحاصل تھا۔

حضرت ابراہیم نے سارہ کے بطن سے بیٹا حاصل کرنے کے لئے دعا کی کیونکہ یہود میں عورت کے رحم کا بند ہونا ، رسوائی اور خدا کی ناراضگی کا موجب سمجھا جاتا تھا اورجس عورت کے ہاں فرزند نرینہ ہوتا وہ بے طرح کڑھا کرتی تھی (۱۔سیموئیل ۱: ۵، ۶۔ پیدائش ۳۰: ۲۳۔ زبور ۱۱۳: ۹۔ لوقا ۱: ۲۵ وغیرہ) حضرت ابراہیم دل سے چاہتے تھے کہ ان کی بیوی کی یہ رسوائی دورہوپس انہوں نے دعا کی جوخدا نے منظور فرمائی اوران کوایک ہوشیار تحمل والے بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دی۔

(۳۔) جب حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے سے اپنے خواب کا ذکر کیا تواس نے بڑی خوشی سے اپنی جان کو خدا کی راہ میں نثار کرنے پر مستعدی ظاہر کی اورکہا" اے باپ جو تجھ کو حکم ہواہے کرڈال"۔ مفسرین نے اس پر طالمودی قصوں سے اضافہ کیاہے کہ اس نے اپنے باپ سے یہ بھی کہا کہ تو میرے ہاتھ پیر باندھ دے ایسا نہ ہو کہ وقت ذبح میرے تڑپنے سے تیرے کپڑے خون سے بھر جائیں۔ اور تو مجھ کو پٹ گرادے تاکہ میرا چہرہ دیکھ کر تجھ پرمہر پدری غالب نہ ہو۔ اور قربانی کے بعد میرا پیراہن میری ماں کو دے دینا تاکہ اس کی تشفی ہوجائے ۔ اگر یہ سب قصے صحیح اور درست ہیں تواس بیان میں فرزندِ موعود یعنی اضحاق کے اوصاف نمایاں ہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں

نہایت دانائی اورہوشیار کی باتیں ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ ذبیح اللہ ہی ہشیار لڑکا ہے ج کی ولادت کی خبر دی گئی تھی۔

علاوہ ازیں ایک اور صفت بھی ذبیح اللہ کی بتلائی گئی ہے کہ وہ "تحمل والا" ہوگا۔ اوریہی صفت اضحاق میں ملتی ہے۔ حضرت اسماعیل تو گورخر کی طرح آزاد مرد تھے جن کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ ان کے خلاف تھے پس یہ ذبیح اللہ اضحاق ہی تھے جو نیک بھی تھے" ہوشیار "بھی تھے " تحمل والے" بھی تھے اوران تمام اوصاف کا بوقت قربانی اظہار ہوگیا۔ حضرت اسماعیل کے " تحمل والے ہوشیار" ہونے کی خبر کسی مقام میں بھی حضرت ابراہیم کو نہیں دی گئی۔

(۴۔) قرآنی بیان میں ہے کہ " جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو یہ آیت اس بات کی متقضی ہے کہ ذبیح اللہ سے وہی ابن ابراہیم مراد ہو جو اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا۔ اور یہ وہی بیٹا ہے جو اس کو ملکِ شام میں حاصل ہوا تھا ۔ حضرت اسماعیل تو اس سے بہت پہلے ہاجرہ کے ساتھ گھر سے نکال دیئے گئے تھے اور وہ فاران کے بیابان میں رہتے تھے ۔ (پیدائش ۲۱ باب) پس اضحاق ہی نذر گذرانے گئے تھے۔

(۵۔) اگرچہ حضرت ابراہیم حکمِ خدا کے مطابق بیٹے کو نذر کرنے پر مستعد ہوئے مگر ان کے بیٹے نے ان سے بھی زیادہ جان نثاری دکھلائی کہ راہ خدا میں ذبح ہونے سے مطلق ملال نہ کیا۔ پس قرآن میں ان دونوں کے اس بے نظیر

کام کا صلہ ملتاہے۔ ابراہیم سے تو قربانی کے بعد کہا گیا" ہم نے پچھلے خلق میں باقی رکھا کہ سلام ہے ابراہیم پر ہم نیکی کرنے والوں کو یوں بدلہ دیتے ہیں اورہمارے ایماندار بندوں میں ہے"۔ یہ صلہ ابراہیم کو ملا۔ اب ذبیح اللہ کواس کی لاثانی فرمانبرداری کا کیا اجر ملا؟ اگر یہ ذبیح اللہ اسماعیل تھے تو اس کو مطلق کوئی صلہ نہیں ملا۔ اسماعیل کی کوئی تعریف نہیں کی گئی بلکہ اس کے نام تک کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ لکھاہے کہ ابراہیم اور ذبیح اللہ " دونوں نے حکم مانا"۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ذبیح اللہ نے ابراہیم سے بڑھ چڑھ کر حکم مانا۔ ابراہیم تو قربان کرنے کو آمادہ ہوئے لیکن وہ بخوشی تمام قربان ہونے کا خواہش مند ہوگیا اورکہا" اے باپ جو تجھ کو حکم ہواہے وہ کرڈال"۔ اور آخری وقت تک بقولِ مفسرین قرآن باپ کی تسلی اور تشفی کرتا رہا۔ اگر یہ ذبیح اللہ اسماعیل تھے تو ان کو کسی قسم کا اجر نہیں ملا۔ لیکن قرآنی بیان کے مطابق ابراہیم اور ذبیح اللہ دونوں کو اجر ملا۔ پس یہ ذبیح اللہ اسماعیل نہیں تھے بلکہ اضحاق تھے جن کے حق میں دوسرااجر لکھا موجود ہے ۔چنانچہ کہا گیا" ہم نے اس کو اضحاق کی بابت خوشخبری دی کہ وہ نبی ہوگا نیک بختوں میں اورہم نے ابراہیم پر اور اضحاق پر برکت دی"۔ پس ابراہیم کو ایک انعام ملا اور اضحاق ذبیح اللہ کو انعامِ نبوت عطا ہوا اوراس کے علاوہ ابراہیم اور اضحاق کو فرمانبرداری کے صلہ میں برکت ملی۔ اور یہ عین تورات شریف کے مطابق ہے جہاں لکھاہے " اے ابراہیم ۔ چونکہ تونے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیامیں تجھے برکت

پر برکت دوں گا۔ اور تیری نسل کے وسیلے سے جو اضحاق سے کہلائیگی زمین کی سب قومیں برکت پائینگی کیونکہ تونے میری بات مانی "(پیدائش ۲۲: ۱۶ تا ۱۷۔ ۲۱: ۱۲)۔

(۶۔)حضرت اضحاق میں ذبیح اللہ کی ایک اور صفت پائی جاتی ہے حضرت ابراہیم نے یہ دعا کی تھی ۔ رب ھب لی من الصلحین (اے رب مجھے کوئی نیک بیٹا عطا فرما)۔ اس دعا کے جواب میں ان کو فرزند عطا ہوا جسے انہوں نے بعد یں نذر گزرانا۔ قربانی کے بعد اضحاق کی یہی صفت قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ نبیاً من الصلحین وہ نبی ہوگا نیکوں میں۔ اور یہ صریح مطابقت ہے جس سے اضحاق کا ذبیح اللہ ہونا پورے طور پر ثابت ہے۔ جو اضحاق کے اوصاف ہیں وہی ذبیح اللہ کے اوصاف ہیں۔ چنانچہ اضحاق کو " ہشیار اور تحمل والا لڑکا" کہا اور ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ ذبیح اللہ کے بھی یہی اوصاف ہیں ۔ ذبیح اللہ کو من الصلحین کہا۔ اضحاق من الصلحین ہے۔ ابراہیم اور ذبیح اللہ دونوں کی بابت لکھاہے کہ " دونوں نے حکم مانا"۔ اور قربانی کے بعد دونوں کو صلہ ملتاہے اور دونوں کو ایک ساتھ یاد کرکے کہا" ہم نے ابراہیم پر اور اضحاق پر برکت دی"۔

(۷۔) اور امر غور طلب ہے ۔ قرآن قربانی کے بعد ابراہیم کو کہتاہے کہ " بے شک یہ تیری صریح آزمائش ہے"۔ تورات بھی کہتی ہے کہ خدا نے ابراہیم کو آزمایا"(پیدائش ۲۲: ۱) اگریہ قربانی اضحاق کی تھی تو یہ " بیشک صریح آزمائش " تھی ور نہ نہیں۔ کیونکہ اضحاق حضرت ابراہیم اور بی بی سارہ کا" اکلوتا بیٹا تھا جسے وہ پیار کرتا تھا" (۲۲: ۲) جب وہ دونوں ضعیف ہوگئے تھے جس عمر میں اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی تھی اس وقت ناامیدی کی حالت میں وہ پیدا ہوا تھا اور ابھی جوان بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کی قربانی کا حکم ہوا جس کی نسبت خدانے فرمایا تھا کہ ابراہیم کی نسل اس سے چلے گی اور وہ اور اس کی نسل ارضِ مقدس کے وارث ہوں گے۔ اور زمین کی سب قومیں اس کے وسیلہ سے برکت پائینگی ۔ اب ایسے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا اوراپنے ہاتھوں شجر امید کی جڑ کاٹنا " بے شک یہ صریح آزمائش " تھی۔ حرم کے بیٹے اسماعیل کو قربان کرنا جس کی ذات سے نہ کوئی وعدہ اور نہ کوئی امید وابستہ تھی " صریح آزمائش " نہیں ہوسکتی تھی۔اضحاق جیسے وعدہ کے فرزند کو(پیدائش ۱۵ باب، ۱۷ باب) قربان کرنے کے لئے تیار ہوجانے کی وجہ سے وہ ایمان کی راہ سے راست باز ٹھہرا(رومیوں ۴: ۱۳) " بقول مصنف خطِ عبرانیوں " اس طرح صبر کرکے اس نے وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا"(۶: ۱۳)۔ اس کو کامل اعتقاد تھا کہ خدا نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا کرنے پر بھی قادر ہے" (رومیوں ۴: ۲۱) اوراس صریح آزمائش " میں کامیاب نکل کر وہ " ایمان داروں کا باپ" ہوا۔ (رومیوں ۴: ۱۱)۔

ہم نے قرآن سے ثابت کردیا ہے کہ حضرت اضحاق ہی نذر گذرانے گئے تھے اگر کوئی مولوی صاحب قرآن سے اس قسم کے دلائل اسماعیل کے ذبیح

اللہ ہونے کے پیش کرسکتے ہیں تو ہم بخوشی ان کو سنیں گے اوران پر غور کریں گے۔

احادیث سے استدلال

بعض مفسرین نے دوحدیثوں سے استدلال کیاہے کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ تھے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے مخالف ہو تو وہ جھوٹی ہے خواہ اس کا راوی کوئی ہو۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ لکھاہے کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ تھے تو اس صحیح اصول کے مطابق وہ حدیث سرے سے غلط ہے اور قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

یہ دو حدیثیں حسبِ ذیل ہیں(۱۔) ایک میں لکھاہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں ابن ذبیحین ہوں۔(۲۔) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضرت کو یہ کہہ کر پکارا کہ " اے ابن ذبیحین "۔آپ اس خطاب پر مسکرادئیے۔ جب اعرابی سے پوچھا گیا تواس نے بتلایا کہ جب عبدالمطلب نے چاہِ زمزم کھودا تو اس نے نذر مانی کہ اگر یہ کام اس کے لئے آسان ہوجائے تو وہ اپنے ایک بیٹے کو قربان کردے گا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلامگر اس کے ماموں نے اس کو اس بات سے منع کیا اور صلاح دی کہ اپنے بیٹے کے عوض ایک سو اونٹ قربان کردے۔ پس اس نے ایک سو اونٹ قربان کردئیے۔ پس ایک ذبیح حضرت اسماعیل ہے اور دوسرا حضرت کا باب عبداللہ ہے"۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں اربابِ سیر کی کہانیاں ہیں جو امر واقعہ نہیں ہیں لہذا وہ ایک محقق کی نظروں میں وقعت نہیں رکھتیں جبھی سرسید مرحوم فرماتے ہیں " ابن الذبیحین کی روایت نہایت غلط ہے۔اسماعیل کبھی قربان نہیں ہوئے (خطبات صفحہ ۵۵)۔

علمائے اسلام اور ذبیح اللہ

روضتہ الاحباب میں لکھاہے " اختلاف است علماء را کہ ذبیح اللہ اسماعیل بود یا اضحاق۔ قاضی بیضاوی در تفسیر خویش وامام نوادی در کتاب تہذیب الاسماء اللغات وغیرہما آوردہ اند کہ اکثر برآنند کہ اسماعیل بودہ ۔وجمعے کثیر آنند کہ اضحاق بودہ۔ دلیل ایشاں ایں است کہ حق تعالیٰ اور قرآن مجید میفر مائید فبشرہ ناہ بغلام حلیم فلما بلغ معہ السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فاظر ماذا اتری۔ چہ ظاہر آیہ دلالت لیکند ہر آنکہ آں پسر کہ ابراہیم با اومبشر شدہ اوست کہ درخواب مامور گشتہ مذبح او۔ ودرقرآن ہیچ جانیست کہ کسے مبشر شدہ باشد بغیر از اضحاق ۔ ہچمنانکہ درسورہ سوہ فبشر ناھا یا باسحاق ودرسورہ صافات میفر مائدہ وبشر ناہ باسحاق نبیاً من الصلحین ۔ وہ دیگر حدیث درزکہ نسبت یوسف وارد شدہ کہ یوسف بنی اللہ ابن یعقوب اسرائیل اللہ بن اضحاق ذبیح اللہ۔

ناظرین پر واضح ہوگیاہوگا کہ یہ حدیث جس کا صاحبِ روضتہ الاحباب ذکر کرتاہے قرآن اور صحفِ سماوی کے مطابق ہے۔ لہذا یہ حدیث سچی ہے

اور ایک محقق کی نظروں میں مذکورہ بالا معیار کے مطابق قابلِ وقعت ہے۔ اس کے برعکس " ابن ذبیحین" کی دونوں حدیثیں صحفِ سماوی کے خلاف بیان کرتی ہیں پس وہ روایات جھوٹی اور موضوعہ ہیں۔

جو اصحاب ان دو حدیثوں کی بنا پر اسماعیل کو ذبیح اللہ مانتے ہیں ان میں ابن عباس ۔ ابن عمر، سعید بن مسید۔ حسن، شعبی، مجاہد اور قلبی شامل ہیں۔ اب ذرا حضرت اضحاق کو ذبیح اللہ ماننے والوں کے نام ملاحظہ ہوں۔ ان میں حضرت عمر ، حضرت علی، حضرت عباس بن عبد المطلب ۔ حضرت ابن مسعود ، حضرت کعب ، حضرت احبار اور قتادہ اور سعید بن خبیر ، مسروق، عکرمہ نے ہری سدی او مقاتل جیسے حضراتِ ذی شان اور اکابر اسلام شامل ہیں ۔ وہ نہ صرف آنحضرت کے مکرم صحابیوں میں سے ہیں بلکہ قرآن کے حافظ اور حسن رائے۔ علم اور نیکی کے لئے دنیائے اسلام میں مشہور اور ممتاز ہیں۔ کون ذی ہوش شخص ابن عباس اور ابن عمر کی رائے کو حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت عمر پر ترجیح دیگا؟ بالخصوص جب صحف سماوی ان کی تائید کرتی ہیں ؟ اگر ابن الذبیحین کی حدیث صحیح ہوتی تو کیا اس کی حقیقت آنحضرت کے چچا عباس بن عبد المطلب اور چچازاد بھائی علی اور آنحضرت کے خسر سے پوشیدہ ہوتی؟

سرسید مرحوم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ " ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اضحاق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ کہ حضرت اسماعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ ذیل حدیث میں بھی پایا جاتاہے۔ عند محمد ابن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسہ ------ (فقال لہ مسروق لا تنحر --- واشتر کبشا فاذبہ للمسا کین فان اسحاق خیر منک وفدی بکش (رواہ ابن زرین مشکواۃ)۔ اس حدیث میں مسروق کا قول صاف ہے کہ حضرت اضحاق قربان ہونے والے تھے" (خطبات صفحہ ۱۳۵)۔

پس قرآن مجید۔ صحیح احادیث ، صحابہ رسول اور ذی علم مسلمان سب کے سب تورات مقدس کے بیان کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو ہی نذر گذرانا تھا۔

باب ہفتم

بی بی ہاجرہ کنیزک حضرۃ سارہ

چونکہ مولوی صاحب نے بنی اسماعیؑل کو برکتِ نبوت کا مستحق سمجھا اور پھر حضرت اسماعیل کو نبی گردانا پس ان کو تعظیماً اسماعیل کی ماں بی بی ہاجرہ کے لونڈی ہونے سے بھی انکار کرنا پڑا ہے۔ ہمارے مخاطب کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ امر ضروری نہیں کہ کسی نبی کی ماں آزاد ہی ہو اور لونڈی نہ ہو۔ یہودیوں اور مسیحیوں کے نزدیک گو بی بی ہاجرہ لونڈی تھیں لیکن وہ کنیزک ہونے کے باوجود برکت والی تھیں۔ لونڈی غلام ہونا فی نفسہ کسی کی ذاتی تحقیر نہیں

کرسکتا۔ کیونکہ یہ ظاہری اور عارضی امور ہیں جن کا تعلق کسی انسان کی حقیقی روحانیت اور باطنی شرافت سے نہیں ہوتا۔

توراتِ شریف کا بیان

مگر حقیقت میں واقعہ یہی ہے کہ بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ کی لونڈی تھیں۔ چنانچہ تورات شریف میں لکھا ہے " خداوند کا کلام رویا میں ابراہیم پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا اے ابرام تو مت ڈر میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں۔ ابرام نے کہا اے خداوند خدا تو مجھے کیا دیگا کیونکہ میں تو بے اولاد ہوجاتا ہوں ؟ ۔۔۔۔۔ اور ابرام کی بیوی سارہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور سارہ نے ابرام سے کہا دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے۔ سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ ابرام نے سارہ کی بات مان لی اور ابرام کو ملکِ کنعان میں رہتے دس برس ہوگئے تھے جب اس کی بیوی سارہ نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور ہاجرہ کے پاس گیا اور حاملہ ہوئی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔ تب سارہ نے ابرام سے کہا جو ظلم مجھ پر ہوا وہ تیری گردن پر ہے۔ میں نے اپنی لونڈی تیری آغوش میں دی اور اب جو اس نے اپنے آپ کو حاملہ دیکھا تو میں اس کی نظر میں حقیر ہوگئی۔ ابرام نے سارہ سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے جو تجھے بھلا دکھائی دے تو اس کے ساتھ کر۔ تب سارہ اس پر سختی کرنے لگی اور وہ اس کے پاس سے بھاگ گئی ۔ اور وہ خداوند کے فرشتے کے بیابان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس ملی اور اس نے کہا ۔ اے سارہ کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے ؟ اس نے کہا میں اپنی بی بی سارہ کے پاس سے بھاگ آئی ہوں۔ خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے پاس لوٹ جا اور اپنے آپ کو اس کے قبضہ میں کردے اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا کیونکہ خداوند نے تیرا دکھڑا سن لیا ہے۔ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا ۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور جب ابراہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔ جب وہ ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس نے فرمایا کہ میں سارہ سے تجھے ایک بیٹا بخشوں گا اور خداوند نے جیسا اس نے فرمایا تھا سارہ پر نظر کی سارہ حاملہ ہوئی اور ابراہام کے لئے اس کے بڑھاپے میں اس کے بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو اس سے سارہ کے پیدا ہوا اضحاق رکھا۔ اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔ اور وہ لڑکا بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اضحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے

اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پر ابراہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی۔ اور خدا نے ابراہام سے کہا تجھے اس لڑکے اوراپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تواس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلیگا اوراس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اوراسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھردیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کرکے اسے رخصت کردیا۔ سووہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اورجب مشک کا پانی ختم ہوگیا تو اس نے لڑکے کوایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اورآپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جابیٹھی اورکہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سووہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی۔اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اوراس سے کہا۔ اے ہاجرہ تجھ کو کیاہوا ؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے ۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اوراسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤنگا ۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جاکر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو بلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑاہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیرا انداز بنااور فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لئے بیوی لی (پیدائش باب ۱۵ تا ۲۱)۔

توراتِ شریف کے مذکورہ بالا بیان کو پڑھ کر یہ روشن ہوجاتاہے کہ بی بی ہاجرہ کے لونڈی ہونے سے انکار کرنا ایساہی محال امر ہے جیسا کہ اس کے عورت ہونے سے انکار کرنا۔ ہم کو یہ ثابت کرنا کہ بی بی ہاجرہ لونڈی تھیں کوئی ضروری بات نہیں بلکہ اس امر پر بحث کرنا بھی ہم کو ایک گونہ ناگوار بھی ہے۔ مگر اظہارِ حقیقت کے لحاظ سے اس موضوع پر بادل نخواستہ ہم بحث کررہے ہیں تاکہ ہمارے مخاطب غلطی میں نہ رہیں۔

غلامی کارواج اوربی بی ہاجرہ

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ " عیسائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی ہے اور اسماعیل معہ اپنی ماں کے نکالے گئے بالکل باطل ہے۔ حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا کتبِ مقدسہ سے پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ جو شرائط لونڈی ہونے کے کتبِ مقدسہ میں ہیں ان میں سے ایک بھی ہاجرہ میں پائی نہیں جاتی۔ اگر عیسائی یہ کہیں کہ حضرت ہاجرہ کے وقت شریعت کہاں تھی؟ شریعت حضرت موسیٰ لائے اور شرائط لونڈی ،غلام کی حضرت موسیٰ کےوقت بیان ہوئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس صورت میں لونڈی غلام کی شرائط حضرت موسیٰ سے شروع ہوئیں تو ہاجرہ لونڈی نہیں ہوسکتیں"(صفحہ ۱۷ ، ۱۸)۔

توراتِ شریف کے مذکورہ بالا بیان کوپڑھ کر کوئی صحیح العقل شخص جس کو تحقیق کا ذرا بھی پاس ہو یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ " حضرت ہاجرہ کا لونڈی

ہونا کتبِ مقدسہ سے پایا نہیں جاتا"۔ کتاب مقدس کے مذکورہ بالا بیان میں کم از کم نو دفعہ بی بی ہاجرہ کو " لونڈی "کہا گیا ہے اور حضرت سارہ کو آٹھ مرتبہ اس کی مالکہ کہا گیا ہے۔ بی بی سارہ اس کو " میری لونڈی" کہتی ہے۔ ہاجرہ اس کو اپنی" مالکہ" تسلیم کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم سارہ سے مخاطب ہو کر اس کو "تیری لونڈی" کہتے ہیں۔ خداوند کا فرشتہ اس کو " اے سارہ کی لونڈی ہاجرہ" کہہ کر بلاتا ہے۔ خود خدا بی بی ہاجرہ کو " لونڈی" اور حضرت اسماعیل کو "لونڈی کا بیٹا "کہتا ہے لیکن ہمارے مخاطب اصرار کرکے کہتے ہیں " ہاجرہ لونڈی نہیں ہوسکتیں"!

مولوی صاحب نے عیسائیوں کی بات پر غور نہیں کیا اور بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہوگئے۔ عیسائی یہ باطل دعویٰ نہیں کرتے کہ بی بی ہاجرہ موسوی شریعت کی علمدرآمد کے ساتھ لونڈی تھی بلکہ یہ (جو آپ کے دعویٰ کے لئے اور زیادہ مضر ہے) کہ ابراہیم کے زمانہ کے رواجِ غلامی کے مطابق ہاجرہ محض ایک لونڈی تھیں۔ ہمارے مخاطب کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ شریعتِ موسوی نے غلامی کی قبیح رسم کو ایجاد نہیں کیا تھا بلکہ غلامی کے مروجہ رواج کی اصلاح کی تھی(احبار ۲۵ باب ۔ یسعیاہ ۵۶: ۳تا ۸ وغیرہ)۔غلامی کا رواج موسوی شریعت سے صدیوں پہلے کا ہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ" بنی اسرائیل فرعون کے لونڈی غلام تھے"۔(صفحہ ۱۸)آپ نے بجا فرمایا۔ لیکن فرعون مصر نے بنی اسرائیل کو شریعت موسوی کے موافق تو اپنا بردہ نہیں بنایا تھا! وہ ملکِ مصر کے رواج غلامی کے موافق فرعون کے بردے تھے پس آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ " ہاجرہ لونڈی نہیں ہوسکتیں"۔ ہاں یہ کہئے کی بی بی ہاجرہ لونڈی تو تھیں مگر شریعتِ موسوی کے موافق نہیں بلکہ زمانہ ابراہیم کے رواج کے موافق لونڈی تھیں۔ اور یہ ان کی زیادہ بد نصیبی تھی کیونکہ اگر موسوی شرع کے موافق ان کو حضرۃ سارہ کی لونڈی ہونے کا فخر حاصل ہوتا تو ان کو وہ ذلت اور خواری نصیب نہ ہوتی جس کا بیان تورات میں ہے۔ وہ اپنے دن زیادہ آرام سے کاٹتیں کیونکہ شریعتِ موسوی نے غلامی کے بد ترین پہلوؤں کو رفع کردیا تھا۔

ہمارا مخاطب عجیب دلیل پیش کرکے کہتا ہے " اگر کوئی یہ کہے کہ حضرۃ سارہ یا خدا تعالیٰ نے ان کو لونڈی پکارا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لونڈی یاغلام صرف کہہ دینے سے ہی ہوسکتا ہے تو بنی اسرائیل سے کوئی لونڈی اور غلام نہیں ہوسکتا "! اس کا حاصل یہ ہوا کہ مولوی صاحب خدا تعالیٰ کے کلام کو بھی اس معاملہ میں تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے بی بی ہاجرہ کو صرف اس واسطے " لونڈی "کہا کہ وہ بنی اسماعیل کو اور مسلمانوں کو چڑائے ؟ خدا ہاجرہ کو لونڈی کہا کیونکہ وہ لونڈی تھیں۔ آپ عیسائیوں کے قول کی شوق سے تکذیب کریں لیکن خدا را خدا کے قول کو تو قبول کرلیں۔

توراتِ شریف کی شہادت

مولوی صاحب کے اس بھدے انکار نے جو تحقیق سے کوسوں دور ہے ہم کو مجبور کیا ہے کہ بی بی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت کریں ورنہ ہم کو بی بی صاحبہ اوران کے بے گناہ بچوں کی ذلتوں کا جو انہوں نے اپنی غلامی کی حالت میں اٹھائیں ذکر کرنا واقعی تکلیف دہ اور ناگوار ہے۔مگر مولوی صاحب کے انکار نے ہم کو ان کے گنوانے پر مجبور کردیا ہے کیونکہ وہ کہتےہیں کہ " عیسائیوں کا یہ کہنا حضرۃ ہاجرہ لونڈی تھیں اور حضرت اسماعیل معہ اپنی ماں کے نکالے گئے باطل ہے"۔ توراتِ شریف کے مندرجہ بالا بیان میں آیا ہے کہ:

(۱۔) سارہ کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اس نے اپنی مصری لونڈی ابراہیم کو دی "۔(پیدائش ۱۶ : ۱ ،۳) دیکھئے حضرت موسیٰ جو " لونڈی" غلام ہونے کی شرائط " سے مواقف تھے بی بی ہاجرہ کو حضرت سارہ کی " مصری لونڈی "کہہ رہےہیں ۔ اور حضرت موسیٰ کی مخالفت کرنے کا کس کوزہرہ؟

(۲۔) " ابراہیم نے سارہ سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے۔ جو تجھے بھلا دکھلائی دے سو اس کے ساتھ کر " (۱۶ : ۶)۔ حضرت ابراہیم ہاجرہ کو سارہ کی لونڈی کہتے ہیں۔ دین ابراہیمی کے دعویداروں کو ابراہیم کے سخن کا کچھ تو پاس ہونا چاہیے۔

(۳۔) خداوند کا فرشتہ نے ہاجرہ سے کہا ۔ اے سارہ کی لونڈی ہاجرہ" (۱۶ : ۸) کیافرشتے کی بات بھی قابلِ التفات نہیں؟

(۴۔) بی بی ہاجرہ کے نام کے ساتھ اس کی صفت" سارہ کی لونڈی" تمام بیان میں موجودہے۔ کتابِ مقدس کی یہی شہادت ہے۔

(۵۔) خدا نے ہاجرہ کو " لونڈی" کے لقب سے نامزد فرمایا (۲۱ : ۱۲) خدا سے زیادہ کون معتبر گواہ ہے؟

(۶ ۔) بی بی ہاجرہ حضرت سارہ کو خود اپنی مالکہ تسلیم کرتی ہے(۱۶ : ۸) کیا اس کااقبال مومنین کے لئے قابل توجہ نہیں ؟ اگر وہ سارہ کی لونڈی نہ ہوتیں تو وہ فرشتے کو کہتیں۔ میں تو لونڈی نہیں ہوں۔مجھے مت چڑاؤ۔ میں تو فرعون زادی ہوں۔

(۷۔) بی بی ہاجرہ پر لونڈیوں کی مانند سختی ہوئی چنانچہ لکھاہے کہ" سارہ اس پر سختی کرنے لگی اوروہ اس کے پاس سے بھاگ گئی"(۱۶ : ۶)۔

(۸۔) حضرت ابراہیم نے اس پر سختی کرنے دی (۱۶ : ۶) اور خدانے بھی اس سختی سے چشم پوشی کی(۲۱ : ۱۲)۔

(۹۔) اس سختی کی وجہ سے بی بی ہاجرہ اپنے آقا کے مکان سے غلاموں کی طرح بھاگ گئی (۱۶ : ۶) اس نے بعد میں فرشتے سے کلام کرتے وقت یہ قبول کرلیا کہ میں اپنی بی بی سارہ کے پاس سے بھاگ آئی ہوں "(۱۶ : ۸)۔

اب مولوی صاحب فرمائیں کہ لونڈی ہونے کی کون سی شرط ہے جو بی بی ہاجرہ میں باقی رہ گئی ہے ؟ قاضی عقل کو بی بی جی کے لونڈی ہونے کا فتویٰ دینے میں تامل نہیں ہوسکتا۔ مولوی صاحب کو تامل ہو تو ہو۔

ہمارے مخاطب کہتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ میں لونڈی ہونے کی شرائط پائی نہیں جاتیں۔ ہاں زلفا اور بلہا (حضرت یعقوب کی حرموں میں لونڈی ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ (۱) گوہاجرہ اور زلفا اور بلہا سب شریعت موسوی سے قبل لونڈیاں تھیں لیکن مولوی صاحب زلفا اور بلہا کے لونڈی ہونے کے اتنے ثبوت کتابِ مقدس سے نہیں لاسکتے۔ جتنے ہم نے بی بی ہاجرہ کے دئیے ہیں (۲۔) حضرت یعقوب نے بھی زلفا اور بلہا کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جس سے ان کے لونڈی ہونے کی ذلت معلوم ہو۔(۳) گویہ دونوں ابتداء میں لونڈیاں تھیں تاہم ان کے بیٹوں کو برخلاف ہاجرہ کے بیٹے اسماعیل کے حضرت یعقوب کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ مساوی حقوق ملے اور وہ اسرائیل کے حقیقی فرزند ہوئے اور ان کا شمار اوران کے اولاد کا شمار بنی اسرائیل میں کیا گیا۔ لیکن اسماعیل (اور ابراہیم کے دوسرے لڑکے جو لونڈیوں سے پیدا ہوئے) وراثت ابراہیمی اور وعدہ اور نبوت کی برکت عظمیٰ سے خارج کئے گئے جیسا کہ ہم گذشتہ فصلوں میں ثابت کرچکے ہیں۔(۴۔) مولوی صاحب ہی ہم کو بتلائیں کہ زلفا اور بلہا میں لونڈی ہونے کی کون سی شرائط موجود ہیں جو ہاجرہ میں نہیں ملتیں ؟ بلکہ زلفا اور بلہا پر سختی نہ کی گئی۔ نہ وہ اپنے مالک کے مکان سے بھاگیں نہ وہ ان کی اولاد آقا کے گھر سے نکال دی گئی اور نہ بمقابلہ دیگر اولاد ان کے بیٹے میراثِ پدر اور دیگر برکتوں سے محروم کئے گئے۔

لامحالہ اگر کسی عورت کی نسبت لونڈی ہونے کی شرائط پوری ہوتیں تووہ لونڈی ہے اور بی بی ہاجرہ لونڈی تھیں اوران کی نسبت لونڈی ہونے کی تمام شرائط بھی پوری ہوچکیں۔

بی بی ہاجرہ کا اخراج

مولوی صاحب نے تورات شریف کی عین ضد میں اس امر کو بھی کہ " اسماعیل معہ اپنی ماں کے نکالے گئے " بالکل باطل ٹھہرایا ہے۔ نا معلوم ۔ انہوں نے تورات کو خود نہیں پڑھا یا دیدہ دانستہ چشم پوشی کرنا چاہی۔ بہر حال یہ دونوں باتیں اصولِ تحقیق کے خلاف ہیں تورات شریف میں آیا ہے:

" سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا (اضحاق پر) ٹھٹھے مارتاہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کو اوراس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ خدا نے ابراہام سے کہا جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلیگا۔ تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی ایک مشک لی اور اس کے حوالے کرکے اسے رخصت کردیا۔ سوہاجرہ چلی گئی اور بیر سبع

کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی" (پیدائش ۲۱ باب) ۔آگے ان مصیبتوں کا حال ہے جو بی بی ہاجرہ اوراس کے لختِ جگر پرپڑیں جن کو پڑھ کر رونا آتا ہے کیونکہ اس بیچاری عورت اوراس کے تباہ حال لڑکے کے ساتھ بہت سخت سلوک کیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نےاپنے بیٹے سید نا عیسیٰ مسیح کو بھیجا اورانجیل جلیل کے اصولوں نے اس ظالمانہ رسم غلامی کا سد باب کیا۔ حضرت کلمۃ اللہ آئے تاکہ قیدیوں اور غلاموں کی رہائی ہو اور ظُلم واستبداد کی زنجیریں ٹوٹ جائیں۔(لوقا ۴: ۲۱)لیکن اس زمانہ میں غلاموں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ ایک عام بات تھی بلکہ اس بے یارومددگار طبقہ کےساتھ ہاجرہ سے بھی زیادہ سخت سلوک کیا جاتا تھا اوراس وحشی اورظالمانہ سلوک کو عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر بی بی ہاجرہ لونڈی نہ ہوتیں تواس قسم کاوحشیانہ سلوک ہی ان سے نہ کیاجاتا۔ لیکن آپ کوگھر سے نکال دیا گیا اورآپ کے لختِ جگر کو بھی نکال دیا گیا کیونکہ آپ لونڈی تھیں۔

فرعون زادی کا قصہ

اس سے کوئی محقق انکار نہیں کرسکتا کہ کتاب مقدس اور صحیح تاریخ کے مطابق بی بی ہاجرہ حضرت سارہ کی لونڈی تھیں اور حضرت اسماعیل کنیزک زادہ تھے اور وہ دونوں حضرت ابراہیم کے گھر سے نکال دئیے گئے ۔ مولوی صاحب باوجود دعویٰ " تحقیق " کے ان سچے اور تواریخی حقائق سے انکار کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے خطرناک راہ پر قدم مارا ہے۔ وہ اتنے ہی پر بس نہیں کرتے کہ ہاجرہ کے لونڈی ہونے سے انکار کریں بلکہ وہ ان کو لونڈی سے شاہزادی بنانا چاہتے ہیں !اے کاش کہ بی بی ہاجرہ بادشاہزادی ہوتیں اورہم کو مذکورہ بالا ناگوار باتوں کا بیان نہ کرنا پڑتا !۔ رنگ آمیزی اورمبالغہ کو تحقیق حق سے کسی قسم کا بھی واسطہ نہیں ہوسکتا مبالغہ کی راہ نہایت کشادہ اور پھسلنی ہوتی ہے ۔ چنانچہ بہ سند" اپنے ایک دوست سلیمان یہودی "آپ فرماتے ہیں کہ " ایک شخص حکیم اہنر مند۔ ذکی الطبع تھا جو اکثر علوم وفنون میں کمال رکھتا تھا۔ اس کا نام قیون تھا۔ اس نے وطن میں رہنا نامناسب سمجھ کر مصر کی راہ لی اور رفتہ رفتہ مصر کا بادشاہ ہوگیا جس کا لقب فرعون ہوا ۔ جب ابراہیم مصر میں پہنچے اس نے سائرہ سے شادی کرنا چاہی جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی ہیں تو اسی وقت فرعون نے ان کو حضرت ابراہیم کے پاس بھیج دیا اور اپنی بیٹی حضرۃ ہاجرہ کوان کے سپرد کردیا۔ یہ صحیح حال حضرۃ ہاجرہ کا ہے جو ہم نے ٹھیک ٹھیک بیان کردیا "(صفحہ ۱۸، ۱۹) ۔ اسی فرضی داستان کو سرسید مرحوم نے مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی (جن کی عبرانی دانی کی قلعی ہم بابِ سوم میں کھول چکے ہیں) کی زبانی دہرایا ہے (خطبات صفحہ ۱۶۳، ۱۷۰)۔

ہمیں کچھ ضرور نہیں کہ ہم اس فرضی قصہ کے کھوج کرنے میں تضیع اوقات کریں۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب کے " دوست سلیمان یہودی" بی بی ہاجرہ کی مرقومہ بالاداستان کو معتبر تاریخ لکھے اورآپ اس کی تائید کریں اور "

محقق " ہونے کا دعویٰ کریں ! آپ نے اس یہودی سے پوچھا ہوتا کیا تم تورات شریف کو مانتے ہو؟ اور اس مقدس کتاب سے بھی کسی زیادہ معتبر کتاب کے قائل ہو؟ اور کچھ نہیں تو آپ نے یہی سوچا ہوتا کہ ہاجرہ کا یہ فرضی باپ کیسا " حکیم ہنر مند ، ذکی الطبع، علوم وفنون میں کمال رکھنے والا " تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کو ایک اجنبی عورت کے سپرد کردیا اور اس کی آئندہ زندگی کا کوئی لحاظ نہ کیا ؟ اوروہ کیسا " دانشمند بادشاہ" تھا جس نے اپنی " اکلوتی بیٹی" کے ساتھ درجن دودرجن سہیلیاں اور لونڈیاں خدمت کےلئے نہ دیں؟ اور نہ کوئی مال واسباب اور زرہی دیا؟ حتیٰ کہ جب ابراہیم نے اس کو گھر سے نکال توفقط ایک مشک پانی اور روٹی کا اس بیچاری کو مستحق گردانا؟ کیا حضرت ابراہیم ایسے ہی نادان شخص تھے کہ وہ ایک عالی نسب شاہزادی سے اس قسم کا سلوک روارکھتے؟ اور یہ عالی خاندان کی شاہزادی کیسی تھی جو گھر سے نکال دئیے جانے کے بعد" چلی گئی اوربیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی "؟ آپ نے اس یہودی دوست سے پوچھا ہوتا کہ ہاجرہ کو سائرہ" کے سپرد" کرنے کا کیا مطلب ہے کیونکہ سارہ نے تو ہاجرہ کو لونڈی بنائے رکھا۔ لونڈی کرکے ابراہیم کودیا۔ لونڈی کا سلوک کیا اور لونڈی کی طرح گھر سے نکال باہر کیا؟ کیا حضرۃ سارہ ایک ایک شاہزادی کو لونڈی بنا کراس قسم کاظالمانہ سلوک کرسکتے تھے ؟

مولوی صاحب ۔ حیرت ہے کہ آپ توریت شریف کی سند کے مقابلہ میں سلیمان یا کسی اور یہودی کا قول پیش کرتے ہیں اور خود مطمئن ہوجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا وہم اس کو عجب عجب تماشے دکھلاتاہے اورجو وہ ماننا چاہتاہے اسے منوادیتاہے۔ لیکن تحقیق حق اور قوت واہمہ دونوں یک جانہیں ہوسکتیں۔ ہم کو بی بی ہاجرہ کے فرعون زادی ہونے سے اتنا تعجب نہیں جتنا آپ کے اس فرضی قصہ کو عیسائیوں کے مقابل سنداً پیش کرنے سے اور اس کو خلافِ تورات حق سمجھنے سے اچنبھا ہوتاہے۔

باب ہشتم

حضرت ابراہیم اور خانہ کعبہ

قرآن کا بیان

قرآن شریف میں لکھاہے:

" ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرا گھر طواف والوں کے واسطے پاک کر رکھو۔ اورجب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھانے لگا---۔ الخ (بقرع ۵) عیسائی ان روائتوں کو حق نہیں جانتے۔ پس وہ ان کو نہیں مانتے۔

مولوی صاحب کی دلیلیں

مولوی صاحب کہتے ہیں ۔ " عیسائی لوگ اکثر اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم نے بنایا نہیں کیا ہمیں کتبِ مقدسہ میں دیکھنا چاہیے کہ ابراہیم بیت اللہ بنانے کے عادی تھے یا نہیں ۔ جب ہم غور سے

دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتاہے کہ ان کی عادت بیت اللہ بنانے کی تھی۔ وہ جس جگہ کو اپنی قیامگاہ مقرر فرماتے تھے وہاں ایک قربان گاہ بناتے تھے۔ یہ ان کی عادت ہو گئی تھی۔اب ناظرین کو یہاں خوب غور کرنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم جبکہ غیر ملکوں میں قربانگاہ بناتے تھے توجب وہ عرب میں اپنے عزیز بیٹے کے پاس گئے ہونگے تو قربانگاہ کیوں نہ بنائی ہوگی"۔ (صفحہ ۲۲، ۲۳) یہ اقتباس ان دلیلوں کا بھی ہے جو سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں دی ہیں خطبات صفحہ ۴۹۹)۔

تنقیح طلب امور

ہمارے مخاطب کو یاد رکھنا چاہیے کہ اصل سوال یہ ہے کہ آیا خانہ کعبہ کو جو ملک عرب کے ایک خاص شہر یعنی مکہ میں واقع ہے، حضرت ابراہیم نے بنایا تھا یا کہ نہیں۔ اس سوال کا جواب نہ تو ابراہیم کی " بیت اللہ بنانے کی عادت " سے مل سکتاہے اور نہ کسی فرضی ملاقات سے یہ سوال حل ہوسکتاہے کہ جو انہوں نے اسماعیل سے کی ہو۔

مولوی صاحب کو یہاں تین باتیں ثابت کرنا چاہیے :

اول۔ یہ کہ حضرت اسماعیل مکہ میں رہتے تھے۔

دوم۔ یہ کہ حضرت ابراہیم اسماعیل کوملنے کی خاطر مکہ تشریف لائے تھے۔

سوم۔ یہ کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو اپنی قیامگاہ مقرر فرمایا تھا کیونکہ آپ خود کہہ چکے ہیں کہ" حضرت ابراہیم جس جگہ کو اپنی قیامگاہ مقرر فرماتے تھے وہاں وہ ایک قربانگاہ بناتے تھے"۔

چہارم۔ یہ کہ حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی اپنے ہاتھوں بناء ڈالی۔ کیونکہ اگر اسماعیل کی جائے سکونت ملک عرب کا ایک خاص خطہ یعنی مکہ قرار پا بھی سکے اور خواہ حضرت ابراہیم ان سے ملنے بھی آئے ہوں اور ان کے۔۔۔ ساتھ سکونت بھی کی ہو اور عرب میں انہوں نے کسی جگہ بیت اللہ بھی بنایا ہو تو بھی کم از کم مکہ کے خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ حضرت نے خانہ کعبہ کو اپنے ہاتھوں اٹھایا تھا۔

اسماعیل کی جائے سکونت

" کتب مقدسہ " سے جن پر مولوی صاحب اپنے دعوؤں کا انحصار کرتے ہیں صاف ثابت ہے کہ حضرت اسماعیل کی جائے سکونت نہ تو ملک عرب میں تھی اور نہ مکہ یا مکہ کے قرب وجوار میں تھی۔ بلکہ ان کی جائے سکونت مکہ سے سینکڑوں میل دور واقع تھی۔ چنانچہ تورات شریف میں ہے:

" خدا اسماعیل کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور وہ بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی۔ اور اسماعیل کی کل عمر ۱۳۷ برس کی ہوئی تب اس

نے دم چھوڑدیا اور وفات پائی اوراپنے لوگوں میں جاملا۔ اوراسکی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پرہے جس سے اسود کو جاتےہیں آباد تھی" (پیدائش ۱۲ باب، ۲۵ باب)۔

" کتبِ مقدسہ میں فاران کا بیابان ایک مشہور جگہ ہے اور یہ کتابیں سوائے ایک " فاران " کے کوئی دوسرا فاران نہیں جانتیں ۔(پیدائش ۱۴ : ۶۔ ۱۲: ۱۲۔ گنتی ۱۰: ۱۲۔ ۱۲: ۱۶۔ ۱۳: ۳وغیرہ)۔ اسی فاران کا ذکر ۱سلاطین ۱۱: ۱۸ اور حبقوق ۳: ۳وغیرہ میں آیاہے۔ یہ فاران کا بیابان جزیرہ نما سینا میں واقع ہے ۔ یہی وہ بیابان ہے جس میں سے ہوکر بنی اسرائیل نے اپنے سفر کے چالیس برس گذارے تھے اورجہاں انہوں نے پڑاؤ بھی کیا تھا۔ چنانچہ لکھاہے کہ" بنی اسرائیل دشتِ سینا سے کوُچ کرکے نکلے اور بادل اور دشتِ سینا میں ٹھہرگیا"(گنتی ۱۰: ۱۲) پھر وہ لوگ حصیرات سے روانہ ہوئے اور فاران کے بیابان میں پہنچ کر انہوں نے ڈیرے ڈالے"(گنتی ۱۲: ۱۶) یہ " فاران کا بیابان "مکہ سے کوئی چھ سومیل شمال کی جانب مابین ملکِ کنعان اور مصر کے جزیرہ نما سینا میں بحر قلزم کی دونوں شمال شاخوں کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام کا جغرافیہ بتلادیتاہے کہ اگرایک لکیر بحرِ مردار سے خلیج عقبہ تک کھینچی جائے تو یہ اس بیابان کی مشرقی سرحد ہوگی ۔اس مقام پر حضرت اسماعیل نے رہائش اختیار کی اوراس جگہ کومکہ سے ویسا ہی لگاؤ جیسا سرینگر کشمیر کو بنارس سے بچارے اسماعیل کا گذر مکہ کے قرب وجوار میں عمر بھر کبھی نہیں ہوسکتا تھاوہ بیابان فاران میں رہا ۔وہیں مراد اوراس کی اولاد اس رقبہ میں بستی رہی جو" حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پرہے جس سے اسور کوجاتےہیں"۔ اور یہ ملک عرب سے کئی سوکوس دورہے۔

پس معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل کی سکونت کومکہ سے کوئی ممکن الوقوع مناسبت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی جائے سکونت مکہ سے چھ سومیل شمال میں تھی۔ اب اگر حضرت ابراہیم نے اسماعیل سے ملاقات کی بھی ہو اور اسماعیل کے گھر کو اپنی " قیامگاہ " بنایا بھی ہو اور اپنی حسبِ عادت ہاں ایک چھوڑ درجن " بیت اللہ " بھی بنائے ہوں تب بھی ان کے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کی بناء نہیں ہوسکتی تھی۔

ابراہیم اور اسماعیل کی ملاقات

اب دیکھیں کہ مولوی صاحب حضرت ابراہیم کے اسماعیل کے پاس جانے کا کیا ثبوت دیتے ہیں ؟ وہ کہتے ہیں کہ " ان معترضین کا اعتراض کہ حضرت ابراہیم کا عرب میں جانا کتبِ مقدسہ سے ثابت نہیں ہوتا ، محض بے بنیاد ہے۔ بیشک حضرت ابراہیم عرب میں حضرت اسماعیل کے پاس ضرور گئے ہونگے۔

اس " گئے ہونگے" کے ساتھ لفظ " بیشک " اور " ضرور" نہ صرف غیر موزوں ہے بلکہ اصولِ منطق کے خلاف ہے کیونکہ مولوی صاحب محض اپنے

حسنِ ظن اور قیاس کو یقین کا درجہ دیتے ہیں۔ جب مولوی صاحب نے عیسائیوں کے اعتراض کو " بے بنیاد "کہا تو ہم سمجھتے تھے کہ غالباً وہ کتبِ مقدسہ کی کوئی " آیت اس امر کے ثبوت میں پیش کرنے والے ہیں کہ حضرت ابراہیم عرب میں حضرت اسماعیل کے پاس فی الحقیقت گئے تھے جس سے معترض کا اعتراض محض بے بنیاد" ثابت ہوجائیگا۔

کتابِ مقدس مولوی صاحب کے ایک لفظ کی تکذیب کرتی ہے ۔

قرینہ اس بات کا مقتضی ہے کہ " ابراہیم عرب کو حضرت اسماعیل کے پاس ضرور وہاں ملنے گئے ہوں گے کیونکہ جب انہوں نے اسماعیل کو گھر سے نکالا تب ان کی عمر ایک سو پانچ برس کی ہوچکی تھی۔ وہ بہت ضیعف تھے اور دور دراز سفر کے قابل نہ رہے تھے ۔ اگر وہ بی بی ہاجرہ کو گھر سے نکالنے کے بیس برس بعد بھی اسماعیل سے ملنے گئے ہوں اور بفرضِ محال اسماعیل نے مکہ میں رہائش اختیار کی ہو تو کون صحیح العقل شخص یہ کہیگا کہ ایک سو پچیس برس کا ناتوان شخص چھ سو میل کی مسافت طے کرکے اسماعیل کوملنے گیا ہوگا"۔

دوم۔ اس بڑھاپے کی عمر میں حضرت کا"اکلوتا بیٹا" جس کو وہ " پیار کرتا تھا"(پیدائش ۲۲: ۲) اس کے پاس تھا اورا سکے علاوہ دیگر حرموں کے بیٹے بھی ان کی خدمت کو موجود تھے۔ دریں حالات ضعیفی کی عمر میں اپنی آنکھوں کے تارے کو وہ کس طرح اپنی آنکھ سے اوجھل کرسکتے تھے ؟ بالخصوص جب اضحاق وعدہ کے فرزند تھے اور اسماعیل کو خدا نے خارج کردیا تھا؟

سوم۔ جب تک بی بی سارہ جیتی رہیں انہوں نے اپنی کنیزک ہاجرہ اور اس بیٹے کو (جن کو انہوں نے نہایت ناراضگی گھر سے نکال دیا تھا) اپنے گھر کے نزدیک پھٹکنے نہ دیا۔ حضرت سارہ نے اپنے شوہر کو انہیں دیکھنے کے لئے کیسے جانے دیا ہوگا؟ حضرت ابراہیم بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی ماں، اپنی بوڑھی زوجہ کو ناراض کرکے کیونکر اپنی کنیزک ہاجرہ اورا سکے بیٹے کودیکھنے کے لئے جاسکتے تھے۔

چہارم۔ حضرت ابراہیم نے اسماعیل اوران کی ماں کو گھر سے نکال دیا تھا اور اسماعیل کی صغر سنی میں بھی اس کی پرواہ نہ کی تھی کہ بھوکا مرتا ہے یا زندہ رہتاہے تو اب جب وہ جوان ہوکر تیراندازی میں ماہر ہوکر اپنی پرورش آپ کرنےلگ گیا تھا تو یہ کونسا موقع اسماعیل کو دیکھنے کے لئے جانے کا تھا؟

پنجم۔ کتاب مقدس سے پایا جاتا ہے کہ خود اسماعیل اپنے باپ کو ضعیفی کی حالت میں دیکھنے آئے تھے۔ اس وقت حضرۃ سارہ وفات پاچکی تھیں اور حضرت ابراہیم کا دم نکلنے والا تھا۔ اور وہ حضرت اضحاق کے ساتھ اپنے باپ کی تدفین میں شریک ہوئے (پیدائش ۲۵: ۹) اور یہ زیادہ مناسب بھی تھا کہ جوان لڑکا اپنے بوڑھے باپ کو دیکھنے کےلئے آتا ۔ نہ یہ کہ الٹا بڈھا ابراہیم اسماعیل کی ملاقات کے لئے جنگلوں میں " چھ سو میل" مارامارا پھرتا۔

حضرت ابراہیم کے عرب جانے اور حضرت اسماعیل سے ملنے کا دوسرا ثبوت مولوی صاحب یہ دیتےہیں " حضرت ابراہیم کا حضرت اسماعیل

کے پاس دو دفعہ تشریف لے جانے کا ثبوت کتابِ حدیث یہود سے ملتاہے جس کو طالموت کہتے ہیں۔ یہ طالموت وہ معتبر کتاب ہے کہ جس سے چند مقامات انجیل میں نقل کئے گئے ہیں"(صفحہ ۱۴۲)۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب تلمود صحیح اور غلط اخبار کا ایک مجموعہ ہے جس طرح کتبِ احادیث اسلام میں جھوٹی اور سچی سبھی حدیثیں ہیں۔ جس طرح ان میں بعض بے سروپا افسانے مرقوم ہیں اسی طرح یہودی مجموعہ میں بھی بے سروپا افسانے اور قصے پائے جاتے ہیں اور جس طرح بغیر پرکھے کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہوسکتی اسی طرح تلمود کے بیانات کو بھی پرکھ کر ہی صحیح مانا جاسکتاہے۔ جس طرح کسی حدیث کی کتاب میں کسی صحیح اسلامی حدیث کا ہونا اس مجموعہ کو معتبر نہیں بناسکتا اسی طرح تلمود میں کسی صحیح خبر کے ہونے سے تمام تلمود " معتبر کتاب"نہیں بن سکتی پس تلمود جیسی غیر معتبر کتاب میں سے کسی معتبر واقعہ کا اخذ کیا جانا تمام کتاب کو" معتبر کتاب" نہیں بناسکتا۔

مولوی صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ تلمود کے وہ کون سے " معتبر مقامات " ہیں جو انجیل میں نقل کئے گئے ہیں" تاکہ ہم ان کی تنقید کرکے اصل بات کا پتہ لگاسکتے ۔ بہر حال اگر کوئی " معتبر مقامات" تلمود سے اخذ کئے گئے ہیں تووہ " معتبر " ہونے کی وجہ سے ہی نقل کئے گئے ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ " طالموت معتبر کتاب ہے" ۔ تلمود کے ایسے بڑے اعتبار کا دعویٰ جیسا کہ آپ کرنے کو تیار ہیں آج کل تو کوئی واقفکار یہودی بھی نہیں کرتا۔

ہمیں افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے تمام حق کو ظاہر نہیں کیا اس قدر تو درست ہے کہ تلمود میں لکھاہے کہ حضرت ابراہیم دو مرتبہ اسماعیل کے مکان پر فاران کے بیابان میں گئے ۔ لیکن وہاں " فاران کا بیابان " ہی لکھاہے۔ عرب اور مکہ کا ذکر ہی نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بھی لکھاہے کہ حضرت کی دونوں مرتبہ اسماعیل سے ملاقات نہ ہوئی کیونکہ وہ جنگلوں میں تیر اندازی کرتے پھرتے تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم ، اسماعیل کے مکان پر ٹھہرے بھی نہیں بلکہ جس روز وہاں گئے اسی روز الٹے پاؤں واپس لوٹ آئے کیونکہ پہلی مرتبہ اسماعیل کی بیوی نے ان سے بات بھی نہ پوچھی اور دوسری مرتبہ جب اسماعیل اپنی اس بی بی کو طلاق دے کر دوسری کرچکا تھا اس کی بیوی نے ابراہیم کے آگے ماحضر رکھا اور ابراہیم اسے کھا کر دعادے کر لوٹ آئے اور اسماعیل سے ملاقات نہ کی۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کے گھر کو اپنی قیام گاہ نہ بنایا چہ جائیکہ وہ ان کے ساتھ سکونت گزیں ہوتے۔

بخاری میں یہ روایت تلمود سے بجنسہ منقول ہے مگر اس میں یہ اضافہ کردیا گیا ہے کہ ابراہیم تیسری بار پھر بھر ملاقات آئے اور زمزم کے قریب اسماعیل سے ملے اور کعبہ کی بناء ڈالی ۔ مگر تیسری دفعہ آنا تو تلمود میں بھی

مرقوم نہیں ہے اوروہ بھی عرب میں آنا ! ہمارے مخاطب کو اختیار ہے کہ وہ تلمود کو اپنا گواہ قرار دیں لیکن وہ آپ کی سی نہیں بولتا۔

ابراہیم کی قیام گاہ اور بنائے کعبہ

ہم پھر مولوی صاحب کو یاددلاتے ہیں کہ اگر ابراہیم اور اسماعیل کی باہم ملاقات ہو بھی جاتی تو بھی آپ کو دعویٰ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ملاقات عرب میں اور پھر مکہ میں ہو ہی نہیں سکتی اور پھر آپ کہتے تو یہ ہیں کہ " حضرت ابراہیم جس جگہ کو اپنی قیام گاہ مقرر فرماتے تھے وہاں ایک قربان گاہ بناتے تھے" مگر یہ کیسے ثابت ہوا کہ انہوں نے اسماعیل کے گھر کو " اپنی قیامگاہ" بنایا اور رواداری میں تعمیر عمارت کیونکر ممکن تھی؟ اور اگر قیامگاہ بنا بھی لیتے تو خانہ کعبہ کی بناء اور تعمیر اور تقدیس کیسے ہوسکتی تھی درآنحالیکہ اسماعیل فاران کے بیابان میں تھے اور خانہ کعبہ مکہ میں تھا؟

ہمیں افسوس ہے کہ مسلم مناظرین کو ایسی نا امیدی سے سامنا پڑتاہے۔ کعبہ کی تقدیس کی آرزو نے مولوی صاحب کے منہ سے تلمود کے مجموعہ کو " معتبر کتاب" کہلوایا پر اگر ہم اس میں سے اسماعیل کی نسبت چند روایات کا اقتباس کردیں تو مولوی صاحب کانوں پر ہاتھ رکھیں اور اس مجموعہ کا نام بھی نہ لیں چہ جائیکہ اس کو ایک " معتبر کتاب" قرار دیں کیونکہ بعض اسلامی روایات کی طرح یہ روایات بھی ناگفتہ بہ ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ کعبہ ایک قدیم مندر تھا جس کے بتوں کے آگے بت پرست اہل عرب سجدہ کیا کرتے تھے ۔ اہل اسلام نے اس کی تعظیم بڑھانے کے لئے عجیب وغریب روایات ایجاد کرلیں۔ وہاں مقامِ ابراہیم پیدا کرلیا گیا۔ حجرِاسود کو آسمان سے جبرائیل کے ہاتھ منگوایا گیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس پر قرآن شریف شاہد ہے کہ حضرت محمد ایک مدت تک اس سے متنفر رہے اور انہوں نے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا لیکن مصلحت وقت اور آروزئے تالیف قلوب نے تقلیداً کعبہ کو قبلہ اسلام بنا کر اس کی پرانی مگر بے بنیاد تعظیم کو بحال کردیا۔

ختم شد